در کفے جامِ شریعت، در کفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

بیادگار

حضرت ابوالبرکات سید حسن قادری گیلانی
رحمۃ اللہ علیہ

پندرہ روزہ

پشاور

الحسن

شاہ محمد غوث اکیڈمی یکہ توت پشاور

شاہ محمد غوث اکیڈمی پشاور کا علمی مجلہ بیادگارِ حضرت ابوالبرکات سید حسن صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ

رجسٹرڈ نمبر پی ۳۶۹

پندرہ روزہ

الحسن پشاور

مدیر اعلیٰ
فقیر محمد امیر شاہ
قادری گیلانی

منتظم اعلیٰ
سید غلام الحسنین
قادری گیلانی

شمارہ نمبر ۱۷۲-۱۷۳ جلد نمبر ۱۵

۱۶ دسمبر ۱۹۹۹ء تا ۱۵ جنوری ۲۰۰۰ء بمطابق شوال ۱۴۲۰ھ

مدیر اعلیٰ (فقیر) محمد امیر شاہ قادری گیلانی نے رضوان پرنٹرز قصہ خوانی بازار پشاور سے
طبع کرکے یکہ توت پشاور سے شائع کیا۔

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	مضمون نگار	صفحہ نمبر
۱	شذرہ	اقبال ریاض	۲
۲	نعت شریف	پروفیسر محمد منظور علی شیخ	۳
۳	تفسیر القرآن الحسنیہ	مدیر اعلیٰ	۴
۴	شہہ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم	صوفی مشتاق احمد صدیقی	۸
۵	چشم کرم ہو شاہ جیلانی (منقبت)	محبوب الٰہی عطا	۱۵
۶	مومن کی زندگی میں صبر کا مقام	ڈاکٹر محمد ہمایون خان	۱۶
۷	وسیلہ	سجاد خان	۲۳
۸	سر بازاری رقصم (نظم)	خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ	۲۶
۹	نورِ مبین : مکی و مدنی زندگی	رئیس المفسرین سید حامد حسن	۲۷
۱۰	غزل	علامہ محمد اقبال	۴۳
۱۱	استفتاء (نعت خوانوں کو روپے دینا)	مفتی خلیل الرحمٰن قادری	۴۴
۱۲	حیات الصالحین	جاوید حسن قادری	۵۷
۱۳	تبصرہ کتب	سید محمد انور شاہ قادری	۶۰

شذرہ

بھارت کے عزائم، اہلِ وطن کے لئے لمحہ فکریہ

اقبال ریاض

کشمیریوں کی جنگِ آزادی میں تیزی آنے کے علاوہ بھارت کی طرف سے پاکستان کی سالمیت کو نقصان پہنچانے کے منصوبوں میں یکے بعد دیگرے جس طرح ناکامی کا سامنا کرنا پڑا ہے اس نے اسے کھسیانا بنادیا ہے اور اب وہ پاکستان کو، جو بھارتیوں کی مرضی کے خلاف لاکھوں مسلمانوں کی قربانیوں کے بعد معرضِ وجود میں آیا ہے، نقصان پہنچانے کے لئے کوئی جائز ناجائز حربہ بھی استعمال کرنے سے گریز نہیں کر رہا۔ کھٹمنڈو سے اڑنے والے جہاز کے اغوا کے ڈرامے کی ناکامی نے بھارتی لیڈروں کو اس قدر بدحواس کر دیا ہے کہ انہوں نے اس ڈرامہ میں پاکستان اور طالبان کو ملوث کرنے کے لئے جھوٹ کی گردان شروع کر رکھی ہے جبکہ نیپالی رہنماؤں کے علاوہ بھارت کے مربی صدر کلنٹن تک نے یہ کہہ دیا ہے کہ بھارتی جہاز کے اغوا میں پاکستان کسی طرح بھی ملوث نظر نہیں آتا اور نہ اس قسم کے کوئی آثار ہی ملتے ہیں۔ تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بھارت پاکستان کی بے گناہی ثابت ہونے کے باوجود اپنے زبردست جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے مذموم مساعی سے باز نہیں آرہا اور اس مقصد کے لئے پاکستان کے خلاف پراپیگنڈے میں سفارتی اور انسانی تقاضوں کو پامال کرنے سے بھی دریغ نہیں کر رہا۔ بھارتی لیڈروں کی ڈھٹائی کا یہ عالم ہے کہ وہ "چانکیہ" کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے پاکستان کے خلاف سازش کے لئے کوئی منصوبہ خود بناتے ہیں لیکن اسکا الزام پاکستان پر دھر دیتے ہیں اور پھر اس مقصد کے لئے جھوٹے پراپیگنڈے کا ایک طوفان چلادیا جاتا ہے۔ حال ہی میں بھارت نے چھمب سیکٹر پر اچانک حملہ کر کے آزاد کشمیر کی چوکی افتخار آباد کو نقصان پہنچایا لیکن حملے کا الزام پاکستان پر لگا دیا جبکہ بھارت نے کنٹرول لائن کے قریب آزاد کشمیر کے دیہات پر گولہ باری بھی جاری رکھی جس سے متعدد بے گناہ افراد شہید اور زخمی ہو گئے۔ بھارت روزِ اول سے ہی پاکستان کا دشمن ہے اور حالات و واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے عزائم کو پورا کرنے کے لئے کوئی دقیقہ بھی فروگذاشت نہیں کرنا چاہتا۔ لہٰذا اہلِ وطن کے علاوہ موجودہ حکومت کو بھی، جو بہر حال چوکس بھی ہے، صورتِ حال پر کڑی نظر رکھنی چاہئے جبکہ اس معاملے میں قوم کو بھرپور طور پر اعتماد میں لینے کی ضرورت ہے کہ باقی ماندہ معاملات کے مقابلے میں وطن کی سالمیت کے اقدامات کو ہر صورت میں اولیت حاصل ہے۔

نعتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

پروفیسر محمد منظور علی شیخ

عاجز ہوئے سب عالم، خاموش ہیں سب فاضل
حیرت میں ہیں گم شاعر، سب سن کے کلام اُن کا

درجات ہیں سدرہ سے وہ خاک بھی اونچی ہے
جس خاک پہ آیا ہے اک بار بھی گام اُن کا

خوش بخت ہیں پروانے سب شمعِ رسالت کے
ہر لحظہ ہے گردش میں رحمت بھرا جام اُن کا

خدمت میں درود ان کی جو نذر کرے دل سے
آتا ہے مدینے سے اس پر بھی سلام اُن کا

محبوب ہیں اللہ کے، شافع ہیں وہ اُمت کے
مایوس ہوں کیوں عاصی، جب فیض ہے عام اُن کا

مخلوق سے کیسے ہو آقا کی ثناء ممکن؟
خالق ہی فقط جانے دراصل مقام اُن کا

تاباں میری قسمت، حد درجہ سخی وہ ہیں
لغزش میرا شیوہ اور عفو ہے کام اُن کا

منظورؔ کے قدموں پر قربان شہنشاہی
ہے اول و آخر یہ ادنیٰ سا غلام اُن کا

گذشتہ سے پیوستہ

تفسیر القرآن الحسنیہ

مدیر اعلیٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ فَاِذَا اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَ سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (۱۹۶)

ترجمہ: اور خاص رضائے الٰہی کے لئے ہی حج اور عمرہ کی تکمیل کرو پس اگر تم گھیر لئے گئے تو جو کچھ میسر ہو تمہیں قربانی سے (وہ بھیجو) اور اپنے سروں کو نہ مونڈھو یہاں تک کہ قربانی اپنے مقام پر پہنچ جائے۔ پس جو تم میں بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی بیماری پیدا ہو جائے تو پھر روزہ یا صدقہ یا قربانی اس کا بدلہ ہے پس جب تم امن میں ہو جاؤ پس جو شخص حج تمتع عمرے کے ساتھ کرے پس جو اسے قربانی سے میسر ہو (قربانی کرے) پس اگر قربانی نہیں پاتا تو حج کے دوران تین دن روزے رکھو اور سات روزے واپس لوٹنے پر رکھے، یہ دس دن پورے ہیں۔ یہ (حکم) ان لوگوں کے لئے ہے جو بیت اللہ شریف کے رہنے والے نہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور خوب جان لو یہ کہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ بہت سخت ہے (۱۹۶)

حل لغت: اَتِمُّوْا: پورا کرو، اتمام مصدر ہے پورا کرنا، جمع ذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ اُحْصِرْتُمْ: تم گھیرے جاؤ، محصور ہو جاؤ، قید کئے جاؤ، روک دیئے جاؤ، بند کر دیئے جاؤ، جمع مذکر حاضر فعل ماضی کا صیغہ ہے حصر ا یحصر حصرا سے ہے۔ هَدْيِ: قربانی۔ لَا تَحْلِقُوْا: تم نہ منڈھاؤ، حجامت

نہ کرو، حلق یحلق حلقاً سے ہے۔ رُءُوس: رَاس کی جمع ہے جس کے معنی سر کے ہیں۔ اَمِنتُم: امن میں آجاؤ، مطمئن ہو جاؤ۔

تفسیر: چونکہ اس سے پہلی آیاتِ کریمہ میں ادائیگی حج کا ذکر ہے اس لئے اس آیہ کریمہ میں بھی اللہ تبارک و تعالیٰ جل جلالہ نے حج کے مزید احکام بیان فرمائے۔ سب سے اہم بات تو یہ ارشاد فرمائی کہ تمہاری تمام عبادات کی ادائیگی کا اولین مقصد یہ ہونا چاہیے کہ وہ خاص اسی ذات کی رضا کے لئے ہو۔ ان مں ریاکاری، عجب، نام و نمود اور کوئی دنیاوی غرض نہ ہو۔ گویا حج کی اور عمرہ کی تکمیل بھی صرف اور صرف رضائے الٰہی کے لئے ہو اور اللہ جل جلالہ نے احکام حج کی ادائیگی میں ایک یہ حکم دیا کہ اگر تم دورانِ سفر حج کرنے سے روک دیئے جاؤ اور محصور کر دیئے جاؤ اور وہ رکنا اتنی زیادہ مدت ہو کہ ایام حج گزر جائیں تو جو تم قربانی کے جانور ساتھ لائے ہو وہ مکہ مکرمہ بھیج دو تاکہ قربانی کے دن ان کو اپنے مقام پر ذبح کر دیا جائے مگر اس بات کا اہتمام رکھنا ہے کہ اس وقت تک حجامت نہیں بنوانی جب تک کہ قربانی اپنے حلال ہونے کی جگہ پر پہنچ نہ جائے۔ ہاں اگر کوئی بیمار ہو جائے یا اس کے سر میں کوئی بیماری پیدا ہو جائے جس کی وجہ سے سر کا منڈھانا ناگزیر ہو تو سر کو مونڈھ لے اور اس کے بدلے میں حسب استطاعت روزے رکھ لے، یا صدقہ کر لے یا قربانی کر لے۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ مزید تین دن کے روزے رکھنے ہیں جیسا کہ صاحب قرطبی نے لکھا

فجمهور فقهاء المسلمين على ان الصوم ثلاثة ايام وهو محفوظ صحيح في حديث كعب بن عجرة۔ (الجامع الاحكام القرآن لامام القرطبی جلد ۱، صفحه ۳۸۳، دار احياء التراث العربي بيروت لبنان)

(اور جمہور فقہائے مسلمین فرماتے ہیں کہ یہ روزے تین دن کے ہیں جو کہ کعب بن عجرہ کی حدیث صحیح سے محفوظ ہے)

یا چھ مسکینوں کو صدقہ فطر کے برابر کھانا کھلانا ہے جیسا کہ صاحب مدارک تحریر فرماتے ہیں

علی ستة مساکین لکل مسکین نصف صاع من بر (تفسیر مدارك)

اور صاحب الجصاص تحریر فرماتے ہیں

فیحصل من ذالك ان یکون المراد به الحنطة ثلاثة آصع و عدد المساکین الذین یتصدق علیهم ستة بلاخلاف

(احکام القرآن الجصاص (عربی) جزو اول ، صفحه ۳۳۲)

(اور اس سے مراد تین وصع گندم ہے اور مسکینوں کی تعداد جن کو یہ صدقہ دیا جائے چھ ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے)

یا قربانی کرے، اونیٰ قربانی بکری کی ہے مگر بہتر ہے کہ گائے یا اونٹ کی قربانی کی جائے جیسا کہ صاحب الجصاص فرماتے ہیں

"ولا خلاف بین الفقهاء ان ادناه شاة و ان شاء جعله بعیرا او بقرة انه مخیر بین هذه الاشیاء الثلاثة یتدی بایها شاء"

(احکام القرآن الجصاص (عربی) جزو اول ، صفحه ۳۳۲)

(فقہاء میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ کم سے کم بکری ذبح کرے اور اگر چاہے تو اونٹ یا گائے کو ذبح کرے۔ بے شک وہ ان تینوں چیزوں میں سے ایک کو ذبح کرنے کا اختیار رکھتا ہے)

تیسرا حکم یہ ارشاد فرمایا کہ جو عمرہ کے ساتھ حج کرتا ہے اور حج کے ساتھ عمرہ کا فائدہ اٹھاتا ہے تو وہ اس حج تمتع کی قربانی دے گا، وہ حج کے جس کی ادائیگی سے پہلے عمرہ ادا کیا جائے پھر احرام کھول لیا جائے اور روزمرہ کے لباس پہن لئے جائیں سوائے میقات کے باہر جانے سے، باقی تمام امور شرعیہ سے فائدہ حاصل کرے۔ یہاں تک کہ ۸ ذی الحج کو نیت کے ساتھ حج کا احرام باندھ کر ادائیگی حج کے لئے نکلے، اس حج کو حج تمتع کہتے ہیں۔ حج تمتع کرنے والوں کو تمام ادائیگی ارکان کے ساتھ قربانی کرنا لازم ہے جس کا حکم اس آیہ کریمہ میں موجود ہے۔ یہاں تک اللہ جل جلالہ نے

اپنی کمال مہربانی سے یہ رخصت عطا فرمائی کہ اگر تم قربانی نہیں کر سکتے ہو تو حج کے دوران تین روزے رکھو اور جب گھر پر واپس پہنچ جاؤ تو سات روزے رکھو۔ اس طرح دس روزے پورے کر لو

رئیس المفسرین صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمت اللہ تعالیٰ علیہ حج کے دوران تین روزوں کے متعلق تحریر فرماتے ہیں

"یعنی یکم شوال سے نویں ذی الحج تک احرام باندھنے کے بعد اس درمیان میں جب چاہے رکھ لے خواہ ایک ساتھ یا متفرق کر کے، بہتر یہ ہے کہ ۷، ۸، ۹ ذی الحج کو رکھے" (خزائن العرفان حاشیہ بر کنز الایمان، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، صفحہ ۵۷، حاشیہ ۳۷۱)

اور یہ بھی یاد رکھو کہ یہ حکم بیت اللہ شریف کے رہنے والوں کے لئے نہیں ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ بہت سخت ہے گویا توجہ دلائی کہ کسی حالت میں بھی اللہ جل جلالہ کی احکام کی نافرمانی نہیں کرنا بلکہ اطاعت و فرمانبرداری پورے پورے طور پر کرنی چاہئے جس میں کسی قسم کی کوتاہی ولغزش نہ ہو۔

رئیس المفسرین صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمت اللہ تعالیٰ علیہ اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں رقم طراز ہیں

"مسئلہ: اہل مکہ کے لئے نہ تمتع ہے نہ قران اور حدود مواقیت کے اندر رہنے والے اہل مکہ میں داخل ہیں۔ مواقیت پانچ ہیں۔ (۱) ذوالحلیفہ (۲) ذات عرق (۳) جحفہ (۴) قران (۵) یلملم۔

ذوالحلیفہ اہل مدینہ کے لئے، ذات عرق اہل عراق کے لئے، جحفہ اہل شام کے لئے، قران اہل نجد کے لئے، یلملم اہل یمن کے لئے" (خزائن العرفان حاشیہ بر کنز الایمان، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، صفحہ ۵۷، حاشیہ ۳۷۲)

(جاری ہے)

گذشتہ سے پیوستہ

شہہ لولاک ﷺ مشاہیر کی نظر میں

پرنسپل (ریٹائرڈ) الحاج صوفی مشتاق احمد صدیقی

آیئے دیکھتے ہیں کہ غیر مسلم مفکرین حضور ﷺ کی ذاتِ تقدس مآب کو کن الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

ڈاکٹر تارا چند (ایم اے پی ایچ ڈی) پروفیسر الہ آباد یونیورسٹی نے "محمد اور قرآنی تعلیمات" مصنفہ محمد امین بار ایٹ لاء کے دیباچہ میں حضور ﷺ کے متعلق اپنے جذبات کا اظہار یوں کیا ہے۔

"محمد ﷺ الامین کے متعلق واضح انداز میں جان لینا چاہئیے کہ وہ غرباء اور مساکین، مظلوم اور ستم رسیدہ یتیموں اور بے نواؤں کے دوست تھے، حضور ﷺ نے آرام و چین اور سہولت کی زندگی کو ٹھکرا کر سخت کوشی کی زندگی اپنائی۔ وہ محنت اور مشقت کا کام اپنے ہاتھوں سے کرتے تھے حتیٰ کہ اپنے کپڑوں اور جوتوں تک کی مرمت خود کر لیا کرتے تھے۔ انہوں نے عبادت گاہ (مسجد) کی تعمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، وہ عموماً کھجوروں اور پانی پر گذر بسر کیا کرتے تھے، آپ دوران سفر اپنے خادم کو شریک طعام کیا کرتے تھے، آپ اپنے دشمنوں کو معاف کر دیا کرتے تھے، غلاموں کے ساتھ مشفقانہ سلوک کرتے تھے، آپ انتہائی بہادر، نڈر اور بے خوف تھے، باوصف اس کے آپ دھیمے مزاج کے مالک تھے، آپ بہت خوش خلق تھے۔ ہمیں یہ حقیقت تسلیم کر لینی چاہئے کہ انہوں نے اسلام کی ترویج تلوار کے بل بوتے پر جیتی ہوئی جنگوں سے نہیں بلکہ اپنی مسحور کن شخصیت اور اپنی پرجوش تقریر کی اثر آفرینی کی مدد سے کی"

ایک دوسری کتاب "پیغمبر اسلام محمد ﷺ کے ارشادات" مرتبہ محمد امین بیرسٹر ایٹ لاء میں مصنف لکھتے ہیں کہ "ڈاکٹر جانسن حضور پُرنور ﷺ کو شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے ہیں، فرماتے ہیں حضور ﷺ تاریخ ساز کردار کے مالک تھے۔ یہ آپ کی فطرت کی سادگی تھی کہ آپ نے اس بات کا برملا اظہار کیا کہ وہ عام انسانوں کی طرح ایک انسان تھے۔ آپ انتہا درجہ حقیقت پسند تھے۔ آپ ہر قسم کی پراسرازیت کے دعوؤں سے مبرا تھے۔ آپ نے معجزوں کے تصور کو رد کیا۔ مکمل طور پر جمہوری اور آفاقی انداز فکر اپناتے ہوئے خدائی حاکمیت کے نظریہ کے تحت انسان کے باہمی تعلقات کا ایک قابلِ فہم عملی نمونہ پیش کیا ہے۔ آپ نے اعلیٰ اخلاق کردار کا مثالی نمونہ بن کر مسلمانوں کی رہنمائی کے فرائض سرانجام

دیئے۔ آپ کو تحریر و تقریر کی طاقت پر مکمل اعتماد اور بھروسا تھا۔ آپ کی شخصیت کے ان تمام درخشندہ اوصاف نے حضور محمد ﷺ کو جدید دنیا کے تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ کر دیا"

یہ تھے غیر مسلم مفکرین جنہوں نے سرکار دو عالم ﷺ کے حضور تحسین و آفرین کے پھول نچھاور کئے کیوں نہ ہو حضور کی ذات ستودہ صفات ایسا درخشندہ و تابندہ مینارہ نور ہے کہ حق و صداقت کا متلاشی اپنی فہم و بصیرت کے مطابق اکتساب حقیقت کرتا ہے۔ بالفاظ دیگر حضور ﷺ کی ذات عظمت مآب نورستہ پھولوں کا ایک ایسا گلدستہ ہے کہ جس کی ہر کونپل ہر پتی سے خوشبوؤں کی دلفریب لپٹیں پھوٹ کر نکلتی ہیں اور مشامِ جاں کو فرط وجد و کیف اور سرور و طرب سے رقصاں کر دیتی ہیں۔

خلاقِ ازل جمیلِ مطلق نے گلدستہ حبیب میں مشکِ نافہ سنبل و ریحاں، عود و عنبر، نرگس و نسترن، موتیا و چنبیلی اور نہ جانے کیا کیا دلفریب خوشبوؤں کو سمو کر حسن و جمال، رنگ و نور اور نشاط و انبساط کا ایک دلربا اور دلکش شہکار بنایا۔ اصغر گونڈوی نے کتنے پیارے انداز میں حضور ﷺ کی حق مدحت ادا کیا ہے فرماتے ہیں

اگر خموش رہوں میں تو، تو ہی سب کچھ ہے جو کچھ کہا تو ترا حسن ہو گیا محدود

حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مصرعہ میں حضور سرکارِ مدینہ ﷺ کی عظمت اور شانِ انفرادیت کا حق ادا کر دیا ہے فرماتے ہیں

لم یاتِ نظیرک فی نظر مثلِ تو نہ شد پیدا جانا

یعنی دیکھنے والی آنکھ کو آپ جیسا کوئی دوسرا دکھائی نہیں دیا اور دکھائی بھی کیسے دیتا کہ قدرت نے آقا (ﷺ) جیسا کوئی دوسرا پیدا ہی نہیں کیا۔

عہدِ حاضر کے ایک مشہور مؤرخ اسلام قاضی سلیمان منصور پوری نے اپنی کتاب "رحمت للعالمین" میں حضور سرکارِ کائنات ﷺ کی جامع الصفات شخصیت کی متنوع خصوصیات کی مرقع نگاری یوں کی ہے۔ فرماتے ہیں

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

مسیح علیہ السلام کی طرح جھٹلائے گئے پھر بھی صابر و شاکر رہے۔ یحییٰ علیہ السلام کی طرح بیابانوں اور بستیوں میں اللہ کی آواز کو پہنچایا، ایوب علیہ السلام کی طرح صبر و شکیبائی کے ساتھ گھاٹی میں تین سال تک محصوری کے دن کاٹے اور پھر بھی آپ کا دل خدا کی شکر گذاری سے لبریز اور زبان ستائش گوئی میں نغمہ سنج رہی، نوح علیہ السلام کی طرح قوم کے برگشتہ بخت لوگوں کو خفیہ اور اعلانیہ، خلوت اور جلوت میں، میلوں

اور جلسوں میں، گزرگاہوں اور راہوں پر، پہاڑوں اور میدانوں میں اسلام کی تبلیغ فرمائی اور لوگوں کو ان کے افعالِ بد سے نفرت کی ترغیب دی، ابراہیم علیہ السلام کی طرح نافرمان قوم سے علیحدگی اختیار کرلی اور ہجرت کی، داؤد علیہ السلام کی طرح شبِ ہجرت کو دشمنوں کے نرغے سے نکلنے میں کامیاب ہوئے، یونس علیہ السلام کی طرح جنہوں نے تین دن مچھلی کے پیٹ میں رہ کر پھر نینوئی میں اپنی منادی کو جاری کیا تھا حضور نے تین دن غارِ ثور کے شکم میں رہ کر پھر مدینہ طیبہ میں کلمۃ اللہ کی آواز کو بلند فرمایا۔

موسیٰ علیہ السلام کی طرح جنہوں نے بنی اسرائیل کو فرعونِ مصر کی غلامی سے آزاد کرلیا تھا۔ حضور پُرنور ﷺ نے شمالی عرب کو شاہ قسطنطنیہ کے بند ملوکیت سے، شرقی عرب کو کسریٰ ایران کے اور جنوبی عرب کو شاہ حبش کی طوقِ غلامی سے نجات دلائی، یوسف علیہ السلام کی طرح ایذا رساں اور ستم پیشہ برادرانِ مکہ کے لئے نجد سے غلہ بہم پہنچایا اور بالآخر فتح مکہ دن "لا تثریب علیکم الیوم" کا مژدہ سنا کر انتم الطلقاء کے فرمودہ سے انہیں پابند منت واحسان بنایا۔

آپ ﷺ وقتِ واحد میں موسیٰ علیہ السلام کی طرح صاحب حکومت بھی تھے اور ہارون علیہ السلام کی طرح صاحب امانت بھی، سلیمان علیہ السلام کی طرح قرار مکہ میں بیت اللہ تعمیر کیا جو تا قیامت اللہ کو یاد کرنے والوں سے معمور ہی رہے گا، اسے آج تک بخت نصر جیسا کوئی سیاہ بخت ویران نہ کرسکا"

آیئے دیکھتے ہیں حضور ﷺ کے ایک غلام حفیظ تائب کتنے ولولہ انگیز، مترنم اور دلکش انداز میں سرکار دوعالم ﷺ کے حضور گلدستہ نعت پیش کرتے ہیں

بادِ رحمت سنک سنک جائے — وادیٔ جاں مہک مہک جائے
جب چھڑے بات نطقِ حضرت کی — غنچۂ فن چٹک چٹک جائے
مالِ طیبہ کا جب خیال آئے — شبِ ہجراں چمک چمک جائے
جب سمائے نظر میں وہ پیکر — ذہن میرا دمک دمک جائے
فیضِ چشم حضور کیا کہنا — ساغرِ دل چھلک چھلک جائے

نامِ پاک ان کا ہو لبوں سے ادا — شہد گویا ٹپک ٹپک جائے
ارضِ دل سے اٹھے نوائے درود — گونج اس کی فلک فلک جائے
رہ نما گر نہ ہو وہ سیرتِ پاک — ہر مسافر بھٹک بھٹک جائے
چشمِ سرکار گر نہ ہو نگراں — نسلِ آدم بہک بہک جائے
کون وہ فرد ہے کہ جس کے لئے — دلِ فطرت دھڑک دھڑک جائے
مطلعِ کائنات پر تابؔ — نور کس کا جھلک جھلک جائے
جو آئے چشمِ تصور میں وہ گلِ رعنا — قلبِ مضطر چمک چمک جائے

(شہد سے میٹھا نام محمد، مکتبہ انوار مدینہ مانسہرہ صفحہ ۳۸۶)

اپنے تو اپنے غیروں نے بھی آقائے دوجہاں سرکارِ مدینہ ﷺ کے حضور عشق و محبت کے جذبات سے لبریز گلدستہ محبت و عقیدت پیش کیے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے ایک ہندو شاعر محترم شنکر لال ساقیؔ وفورِ نشاط و کیف سے مسرور اور فرطِ عقیدت و احترام سے مخمور ہو کر یوں مدح سرا ہیں

روشن دلم ز جلوہ روئے محمد است — جانم فدائے نام نکوئے محمد است
یادِ خدا است ہمدمِ روحِ لطیفِ من — دل در خیالِ مدحتِ خوئے محمد است
ایں بوئے خوش کہ مشکِ ختن یافت در جہاں — بے شبہ از عطیۂ موئے محمد است
در دیر ہم قبول تواں شد نمازِ من — گر روئے دل ز صدقِ بسوئے محمد است
ساقیؔ اگرچہ جامہ ہنداست بر تنم — خاکم مگر ز یثرب و کوئے محمد است

(ختم الرسل، فانوس پبلی کیشنز صفحہ ۵۵۲)

مفکرِ اسلام حکیم الامت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے حضور سرکار دو عالم ﷺ کے علو مرتبت، بلندئ درجات اور عظمتِ مقام کو انتہائی جامع فکر انگیز اور حقیقت آفریں الفاظ کا جامہ پہنایا ہے، فرماتے ہیں

عجب کیا گر مہ و پرویں میرے نخچیر ہو جائیں — کہ بر فتراکِ صاحب دولتے بستم سرِ خود را
وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے — غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیِ سینا

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر | وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یاسیں وہی طٰہٰ

(بالِ جبرئیل)

حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات ﷺ کی حیات بابرکات کی مدح ذات اور ثنائے صفات کو آقاو مولیٰ ﷺ کے ایک مداح عبدالعزیز خالد نے نعت کا لبادہ یوں پہنایا ہے

عروسِ مملکتِ ربِ کائنات ہے وہ
خوشا وہ دل کہ نشیمن ہو عشقِ احمد کا

لیں اہلِ ناز سے جس کے نیاز مند خراج
مطیع جس کے مطاع سکندر و دارا

علوِ شان کے بارے میں اس کی کیا کہئے
سلام بھیجے جسے وحی بھیجنے والا

نہ دستگاہِ تخیل نہ حرف کی پونجی
میں کس زباں سے کروں مدح شاہ کا دعویٰ

دیا تھا شوق تو بے اختیار کیوں رکھا؟
دوں واسطہ ترے محبوب کا تجھے یارب!

ہو بعد مرگ مری خاک گردِ راہ بقا
میں کاش نعتِ پیمبر میں نام کر جاؤں

تری غلامی میں قائم قام کر جاؤں

(عبدہٗ از عبدالعزیز خالد مقبول اکیڈمی لاہور)

حضرت بیدم شاہ وارثی رحمۃ اللہ علیہ سیدالمرسلین ﷺ کی خدمت اقدس میں اپنی نارسائی کی بپتا بصد عجز و نیاز سناتے ہیں اور بصد الحاح و زاری التجا کرتے ہیں کہ اے آقا! اب مجھ سے ہجر کے صدمہ برداشت نہیں ہو سکتے، اپنے قدموں میں بلا لیجئے۔ تاکہ دل ناصبور کو قرار آجائے، پوربی زبان میں اپنی محبت اور عقیدت کا اظہار یوں کرتے ہیں

تڑپت ہے مورا جیا مدینے والے
آقا مدینے والے، مولا مدینے والے

ناہیں دکھاتے ہو اپنا درشن
گجرے گی کیسے عمریا مدینے والے

کاہے ہم کو بھول گئے ہو
کیوں نہیں لیتے کھبریا مدینے والے

چرنوں میں اپنے اب تو بلا لو
بیت نہ جائے عمریا مدینے والے

لاج رکھو بیدم کی خدا را
کردو کرم کی نجریا مدینے والے

(محمد نام، مکتبہ انوار مدینہ مانسہرہ صفحہ ۲۷۳)

حضور سرکارِ دو عالم، سرورِ دنیا و دین، رحمت للعالمین، سردارِ اولین و آخرین، محبوب رب العالمین ﷺ کے ایک ثنا خواں نعیم صدیقی وجد و کیف جذب و شوق، ولولہ و تڑپ کے جذبات سے بے چین ہو کر یوں مدح سرا ہیں

ہوا ہے دل کا تقاضا کہ ایک نعت کہوں
میں اپنے زخم کے گلشن سے تازہ پھول چنوں
پھر ان پہ شبنمِ اشک سحر گہی چھڑکوں
پھر ان سے شعروں کی لڑیاں پرو کے نذر کروں
میں ایک نعت کہوں، سوچتا ہوں کیسے کہوں؟
میں تیرہ صدیوں کی دوری پہ ہوں کھڑا حیراں
یہ ایک ٹوٹا ہوا دل یہ دیدہ گریاں
یہ منفعل سے ارادے یہ مضمحل ایماں
یہ اپنی نسبت عالی یہ قسمت واژوں
میں ایک نعت کہوں، سوچتا ہوں کیسے کہوں؟
یہ تیرے عشق کے دعوے، یہ جذبہ بیمار
یہ اپنی گرمیٔ گفتار، پستیٔ کردار
رواں زبانوں پہ اشعار، کھو گئی تلوار
حسین لفظوں کے انبار، اڑ گیا مضموں
میں ایک نعت کہوں، سوچتا ہوں کیسے کہوں؟
پہن کے تاج بھی غیروں کے ہم غلام رہے
فلک پہ اڑ کے بھی شاہیں اسیر دام رہے
بنے تھے ساقی مگر پھر شکستہ جام رہے

نہ کارساز خرد ہے، نہ حشر خیز جنوں
میں ایک نعت کہوں، سوچتا ہوں کیسے کہوں؟
یہاں کہاں سے مجھے رفعت خیال ملے
کہاں سے شعر کو اخلاص کا جمال ملے
کہاں سے قال کو گم گشتہ رنگ حال ملے
حضور ایک ہی مصرع یہ ہو سکا موزوں
میں ایک نعت کہوں، سوچتا ہوں کیسے کہوں؟

(سیارہ ڈائجسٹ جلد اول صفحہ ۳۸۴)

سرکارِ رسالتمآب ﷺ کا ایک دوسرا عقیدت کیش اقبال رحمۃ اللہ علیہ انتہائی عجز وانکساری، انفعال وسر مشاری، درد وکرب سے بے چین ہو کر سید العرب والعجم، شفیع الامم، صاحب الجود والکرم ﷺ کے حضور درود و سلام کا گلدستہ پیش کرنے کے لئے اپنی کم مائیگی اور نارسائی کا اعتراف کرتے ہوئے یوں عرض کرتے ہیں

چوں بنامِ مصطفیٰ خوانم درود — از خجالت آب می گردد وجود
عشق می گوید کہ اے محکوم غیر — سینۂ تو از بتاں مانند دیر
تانہ داری از محمد رنگ وبو — از درود خود میالا نام او
آنچہ تو باخویش کردی کس نکرد — روح پاک مصطفیٰ آید بہ درد

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ "جاوید نامہ" میں لکھتے ہیں

"میں جب اسمِ محمد ﷺ پر درود بھیجتا ہوں تو شرم کے مارے پانی پانی ہو جاتا ہوں، جب بے تاثیر ہونٹ ہلنے لگتے ہیں تو عشق اندر سے آواز دیتا ہے اے محکوم غیر! تو حضور ﷺ کا جھوٹا نام لیوا ہے تیرا سینہ بت خانہ ہے، گلزارِ محمدی ﷺ سے تجھے رنگ وبو کا کچھ حصہ بھی نہیں ملا، پھر کیوں اپنے درود سے اسم گرامی پر دھبہ لگاتا ہے اے مسلمانو! جو کچھ تم نے (باقی صفحہ آخر پر)

چشمِ کرم ہو شاہ جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

محبوب الٰہی عطا

تمہارے فیض کے چرچے ہیں ہر سُو پیرِ لاثانی
ہماری سمت بھی چشمِ کرم ہو شاہِ جیلانی

علی و فاطمہ کے دلربا، حسنین کے جانی
محمد مصطفیٰ کے لاڈلے محبوبِ سبحانی

عجب محبوبیت کی شان ہے محبوبِ سبحانی
کہی جو آپ نے اللہ سے، اللہ نے مانی

نہ کیونکر رشک ہو رضواں کو بھی اس کے مقدر پر
میسر ہے شہہ جیلاں کے در کی جس کو دربانی

دعا مانگی محی الدیں کا جس نے واسطہ دے کر
خدا نے دور کر دی اے عطاؔ اس کی پریشانی

مومن کی زندگی میں صبر کا مقام

(قرآنی تعلیمات کی روشنی میں)

اسٹنٹ پروفیسر ڈاکٹر محمد ہمایون خان (ایم بی بی ایس)

صبر عربی زبان کا ایک لفظ ہے اور ایک قرآنی اصطلاح بھی۔ اس کے معنی صرف تکلیفات یا ظلم برداشت کر کے خاموش بیٹھنے تک محدود نہیں۔ عربی زبان کے ایک لفظ کی حیثیت سے یہ وسیع معنی رکھتا ہے اور قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر مختلف واقعات اور حالات کے مقابلے میں رسول اکرم ﷺ کو صبر اختیار کرنے کی جو تلقین کی گئی ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے صبر کے لئے جس اجراء اور جزا کا وعدہ کیا گیا ہے اس سے اس لفظ کے وسعت معنی اور مؤمن کی زندگی میں صبر کی بنیادی اہمیت کی پوری وضاحت ہوتی ہے۔

سورہ بقرہ کی آیت ۴۵ میں صبر اور نماز کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی اعانت طلب کرنے کی تلقین اس انتباہ کے ساتھ کی گئی ہے کہ یہ کام غیر متقی لوگوں پر بہت گراں گزرتا ہے اور صرف خوفِ الٰہی رکھنے والے لوگوں کو ہی صبر و نماز کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کرنے کی توفیق ملتی ہے۔ یہ آیت اس رکوع کی آخری آیت ہے جس میں بنی اسرائیل کی پوری قومی زندگی سدھارنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی رہنمائی کی گئی ہے اور جس کے اصول نہ صرف اسرائیلیوں بلکہ تمام اقوامِ عالم کی قومی زندگیوں میں نافذ العمل ہیں لہٰذا اس آیتِ کریمہ میں صبر کے معنی بہت وسعت کے حامل ہیں۔ اس میں مندرجہ ذیل انسانی اوصاف حمیدہ شامل ہیں۔

(۱) خوف الٰہی اور اپنے اعمال کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہونے کا یقین۔

(۲) سطحیت یا عجلت کے مقابلے میں گہرا اور ہمہ گیر انداز فکر۔

(۳) بے ہنگم طرز عمل کے خلاف ہر کام میں واضح مقصد اور اس پر استقلال اور ثابت قدمی سے قائم رہنا۔

(۴) احکام الٰہی کے مطابق صحیح منصوبہ بندی کا طرز عمل نہ کہ صرف فوری حادثات سے نپٹنے کا انداز۔

(۵) تکلیفات اور نقصانات کے مقابلے میں پر اعتماد اور پر امید رہنا، نہ شکوہ و شکایت کی راہ اختیار کرنا۔

(۶) ناکامی اور واماندگی کی صورت میں پژمردگی اور بے عملی کی بجائے جدو جہد اور توکل کی راہ اختیار کرنا۔

سورہ بقرۃ آیت ۱۵۳ میں بھی صبر وصلوٰۃ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے کی تلقین کی گئی ہے اور اس کے آگے آیات میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل ہونے والوں کو مردہ نہ سمجھو وہ زندہ ہیں مگر تمہیں اس کا شعور نہیں ہے۔ مزید فرمایا گیا ہے کہ خوف، بھوک اور اموال و ثمرات اور جانوں کا نقصان اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے اور ان پر صبر کرنے والوں اور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے کا عقیدہ رکھنے والوں کے لئے بہت بڑا ثواب ہے۔

ان آیات کریمہ میں واضح طور پر صبر کا مطلب یہ ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کے وقت مومن کا دل اس عقیدے سے معمور ہو کہ راہ خدا میں قتل ہو جانا در اصل اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے ساتھ ایک مستقل زندگی کا آغاز ہے نہ کہ موت۔ وہ جہاد میں مکمل استقامت اور ثابت قدمی دکھائے اور اس رستے میں دنیاوی نقصانات اس یقین کے ساتھ قبول کرے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری کے لئے ہیں اور ہم نے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔

سورہ آل عمران آیت ۱۸۶ میں مؤمنین کے مال و متاع اور ان کے نفوس کے سلسلے میں ان کی آزمائش کا ذکر ہے اور اہل کتاب اور مشرکین کی طرف سے اذیت رساں باتوں کا سننے میں آپ ﷺ کی آزمائش کا ذکر ہے اور اسی آیت کریمہ میں صبر اور تقویٰ کو ان آزمائشوں سے کماحقہ نبرد آزما ہونے کے لئے فیصلہ کن قدر قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا اس موقعہ پر صبر کا مطلب یہ ہے کہ

(۱) اپنے مال کو خداوند تعالیٰ کے بتائے ہوئے قانون کے مطابق کمایا اور صرف کیا جائے۔

(۲) اپنا نفس یا پوری شخصیت بشمول اپنی تمام ذہنی اور بدنی صلاحیتوں اپنا علم، ہاتھ آئے ہوئے مواقع یا ان فیوض و مواقع کے فقدان کو اس طرح اللہ تعالیٰ کے قوانین کے مطابق استعمال کریں

کہ آپ کی زندگی میں تمام طاغوتی قوئی کی مداخلت اور احکام خداوندی کی تعمیل میں رخنہ اندازی کا پورے عزم واستقامت کے ساتھ مداوا ہو سکے۔

(۳) دشمنوں اور بدخواہوں کی اذیت رساں باتوں کے مقابلے میں باوقار طرز عمل اور عالی ظرفی کا مظاہرہ کریں اور ثابت قدمی کے ساتھ اپنے نیک مشن کی تکمیل اور مقصد کے حصول کی طرف قدم بڑھائیں۔

سورہ آل عمران کی آخری آیت میں باری تعالیٰ نے مومنین کو تلقین کی ہے کہ وہ صبر میں ثابت قدم رہیں اور اعمال نیک میں ثابت قدمی پر اوروں کی ہمسری کریں اور اس صفت حسنیٰ میں اوروں کے لئے اعلیٰ معیار قائم کریں۔ اعمال نیک کی بجا آوری میں باہم ایک دوسرے کو تقویت دیں اللہ تعالیٰ سے ڈریں تاکہ وہ فلاح پائیں۔

حصول فلاح کے لئے صبر پر بدرجہ اتم استقامت کی تلقین سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اس آیت کریمہ میں صبر کا مطلب انسان کو اپنی پوری زندگی رضائے حق اور قوانین الٰہی کے تحت گزارنی ہے جس میں خواہشات نفسانی اور طاغوتی ترغیبات کا مکمل رد اور اسلامی طرز زندگی پر استقامت اور ثابت قدم رہنے کے برگزیدہ اقدار شامل ہیں۔

سورہ یونس کی آخری آیت میں باری تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کو ہدایت کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی ہوئی وحی کی پیروی کریں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ ہونے تک صبر پر قائم رہیں۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ کے فرمان صبر کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر محمد ﷺ کی طرف سے تبلیغ وحی اور تبلیغ حق کا اثر لوگوں پر ظاہر نہیں ہو رہا اور مشرکانہ معاشرہ متواتر اس دعوت حق کی مخالفت کر رہا ہے تو اس پر آپ ﷺ کو ناامید نہیں ہونا چاہئے بلکہ پوری استقامت کے ساتھ دعوت حق اور پیروی وحی کو جاری رکھتے ہوئے خداوند تعالیٰ کی طرف سے بہترین فیصلوں کا انتظار کرنا چاہئے۔

سورہ ھود آیت ۱۱۵ میں رسول اکرم ﷺ کو صبر کی ہدایت کی گئی ہے اور فرمایا گیا ہے کہ

محسنین کا اجر کبھی ضائع نہیں ہو گا۔ اس آیت سے پہلے تین آیات کریمہ میں ان تین ہدایات کا ذکر ہے جن کو صبر کے مفہوم میں شامل سمجھنا چاہئے۔

(۱) اللہ تعالیٰ کے احکامات پر ثابت قدمی سے قائم رہنا۔

(۲) ظالموں کی طرف جھکاؤ سے اجتناب۔

(۳) نیک اعمال کے ذریعہ برائیوں کو دفع کرنا اگرچہ اس مقام پر نیک اعمال کا اشارہ قیام صلوٰۃ اور صحیح افکار کی طرف ہے مگر درحقیقت اس سے مراد وہ تمام اعلیٰ اقدار بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کے لئے مقرر کئے گئے ہیں۔

سورہ نحل آیت ۱۲۶ اور ۱۲۷ میں باری تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کو ہدایت کرتا ہے کہ اگر مخالفین تمہاری گرفت میں آئیں تو آپ (ﷺ) کی گرفت اس سے زیادہ سخت نہ ہونی چاہئے جتنی تکلیف انہوں نے آپ ﷺ کو دی ہے اور اگر آپ ﷺ صبر کریں تو یہ آپ کے لئے بہتر ہے۔

ظاہر ایساں صبر سے مراد عفو ہے جو معلم اعظم ﷺ کی شخصیت طیبہ کے لئے زیادہ موذوں ہے۔ مزید فرمایا گیا ہے کہ آپ ﷺ کا صبر (عفو) اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ اس لئے آپ کو ایسی باتوں سے رنجیدہ نہیں ہونا چاہئے کہ اگر کوئی آپ کے ضبط نفسی اور عفو کو کمزوری کے رنگ میں پیش کریں۔ لہٰذا اس مقام پر صبر کا مطلب مخالفین کے بارے میں ضبط نفس اور نتیجتاً اس سے ماخوذ عفو ہے۔

سورہ یوسف آیت ۱۸ کی تلاوت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی پیغمبرانہ بصیرت اور حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کی روشنی میں اپنے بیٹوں کی غلط بیانی کا یقین نہ کیا کہ حضرت یوسف علیہ کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔ چونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس کوئی ایسے مادی یا طبعی وسائل موجود نہیں تھے جس کے ذریعے وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی تلاش کر سکتے اور اپنے بیٹوں کی غلط بیانی کا ثبوت فراہم کرتے۔ اس لئے انہوں نے صبر جمیل اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کی استعانت طلب کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی واقعہ افک کے سلسلے

میں نبی کریم ﷺ کے تفہیم وارشاد کے جواب میں وہی طرز عمل اختیار کیا جو ایسی ہی بے وسیلگی کی حالت میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے کیا تھا (صحیح بخاری تفسیر سورہ یوسف)

مصیبت اور بے وسیلگی کی حالت میں ان ہر دو صالح بندگان خدا نے صبر کر کے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگی اور اللہ نے اپنی پوری کریمانہ شان سے ان کی مدد فرمائی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی ملاقات حضرت یوسف علیہ السلام سے ایسی حالت میں کرائی کہ حضرت یوسف علیہ السلام دنیاوی اور روحانی اعتبار سے ایک بلند مقام پر فائز تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برئیت کا اعلان وحی الٰہی کی صورت میں ہوا جو قرآن کریم کا حصہ ہے اور جس کی تلاوت اربوں کھربوں انسان قیامت تک کرتے رہیں گے۔

اس موقع پر یہ ذکر بھی بے جانہ ہوگا کہ صبر کو عفو کے مفہوم میں لینے کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام کے "لاتثریب علیکم الیوم" کا طرز عمل کتنا واضح ثبوت ہے۔ یہی معاف کرنے اور درگزر کا رویہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ان کے والد محترم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اختیار کیا۔

اسی "لاتثریب علیکم الیوم" یعنی مخالفین کے معاف کرنے کی مکمل بلکہ وسیع تر بازگشت اقوام عالم رحمت للعالمین محمد ﷺ کے فتح مکہ کے موقع پر ان کے کریمانہ اقدامات میں دیکھتے ہیں انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے اسی قول کا حوالہ دے کر اہل مکہ میں عام معافی کا اعلان فرمایا تھا جو آپ ﷺ کی صابرانہ طرز زندگی کا ایک واضح حصہ ہے۔

سورہ طٰہٰ آیت ۱۳۰ میں صبر کا حکم ہے اور آیت ۱۳۰ تا ۱۳۲ میں وہ فرمودات ہیں جس کے سلسلے میں صبر کی تلقین کی گئی ہے۔ فرمودات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) مخالفین کی یاوہ گوئی سے پروقار انداز میں کنارہ کشی۔

(۲) قیام صلوٰۃ اور اوقات مقررہ پر اس کی پابندی اور اپنے اہل وقیام کو صلوٰت کی تاکید۔

(۳) مختلف لوگوں اور اقوام کو آزمائش کے طور پر دیئے گئے وافر متاع دنیاوی کو پروقار اور عالی

ظرفی کے انداز میں نظر انداز کرنا۔

(۴) رزق اور عاقبت نیک کا صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہونے کا مکمل یقین۔

لہٰذا ان آیات کریمہ میں مذکورہ بالا اقدار صبر کے مفہوم میں شامل ہیں۔

سورہ مؤمن کی آیات کریمہ ۵۵ اور ۷۷ میں صبر کی تلقین ہے اور ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے سزا اور جزا کے وعدوں کو برحق جاننے اور استغفار پر قائم رہنے کے لئے صبر کا حکم دیا گیا ہے۔

سورہ احقاف آیت ۳۵ میں بھی فاسق لوگوں کے لئے یقینی سزا کا ذکر ہے اور اس سلسلے میں عجلت طلبی کے مقابلہ میں صبر کی تلقین ہے۔ اگلے تمام رسل علیہم السلام کی اسی روش پر قیام کا ذکر ہے۔ لہٰذا اس آیت کریمہ میں دی گئی ہدایات کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کے وعید برحق کے بارے میں عجلت طلبی نہ کرنے کا نام صبر ہے۔

سورہ ق آیت ۳۹ میں مخالفین کی یاوہ گوئی کو خاطر میں نہ لانے اور صلوٰۃ و تسبیح پر مقررہ اوقات میں استقامت پر صبر کا حکم ہے۔ لہٰذا اس آیت کریمہ میں احکام الٰہی پر مکمل استقامت اور مخالفین کی بے ہودہ باتوں کے مقابلے میں تبلیغ کے کام کو ثابت قدمی سے جاری رکھنے کا نام صبر ہے۔

سورہ معارج آیت ۵ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اکرم ﷺ کو صبر جمیل کی تلقین کی گئی ہے اس آیت کریمہ میں ایک ایسے سوال پوچھنے والے کا ذکر ہے کہ تو وہ یا تو عذاب الٰہی کے جلد آ جانے پر اصرار کرتا تھا یا عذاب الٰہی کے واقع ہونے کے متعلق باتیں پوچھتا تھا جن کو بیان کرنا خلاف مصلحت تھا لہٰذا اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو صبر جمیل کی ہدایت کی گئی اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یقینی اور برحق وعدوں کے بارے میں غیر متعلق اور خارج از بحث امور سے کنارہ کشی کرنا صبر کے مفہوم میں داخل ہے۔

سورہ مزمل آیت ۱۰ میں بھی مخالفین کی بے جو باتوں اور غیر متعلق بحث کو نظر انداز کر کے تمکنت اور عالی ظرفی کے ساتھ علیحدگی کو بھی صبر کہا گیا ہے۔

ان چند سطور میں مذکورہ مثالوں کے علاوہ صبر کا لفظ قرآن کریم میں دیگر متعدد جگہ استعمال

ہوا ہے اور رسول اکرم ﷺ اور مومنوں کو اس کے اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے جس پر گہرائی میں غور کرنے سے "اصطلاح صبر" کے مفہوم کو مزید وسعت ملتی ہے۔

تین مختصر آیات پر مشتمل سورہ العصر چند ہی واضح الفاظ کا مجموعہ ہے جس میں فلاح کی زندگی گزارنے اور خسارے سے بچنے کے لئے چار ہمہ گیر اصول بیان کئے گئے ہیں اور وہ یہ ہیں :

(۱) ایمان باللہ۔

(۲) عمل صالح۔

(۳) ایک دوسرے کو حق کی نصیحت۔

(۴) ایک دوسرے کو صبر کی تلقین۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اگر لوگ اس سورہ پر غور کریں تو یہی ان کی ہدایت کے لئے کافی ہے۔ یہاں صبر کا مطلب یہ ہے کہ ایمان، عمل صالح اور پیروی حق کے سلسلے میں مومن کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑے یا اسے جو نقصانات اور محرومیاں پیش آئیں اس کے مقابلے میں ایک دوسرے کو ثابت قدم رہنے کی تلقین کریں اور استقامت کے ساتھ ایک دوسرے کو حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے ان کی ہمت بندھائیں۔

مذکورہ بالا قرآنی حقائق کی روشنی میں جہاں مختلف حالات میں صبر اختیار کرنے کا ذکر ہے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ صبر کا مکمل مفہوم مسلمان کی پوری دنیاوی زندگی کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اس میں اپنی ناجائز خواہشات کا دبانا، حدود اللہ کی پابندی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ تمام فرائض کا بجالانا شامل ہے۔ اپنے مال اور اپنے ذاتی اور اجتماعی اوصاف، صلاحیتوں اور قویٰ جیسے علم، محنت، خداداد قابلیت اور اپنی جان تک کو راہ خدا میں صرف کرنے اور قربان کرنے کا نام صبر ہے۔

عمل صالح سے روکنے والے ہر لالچ اور ترغیب کو رد کرنا اور مصائب کا (باقی صفحہ نمبر ۵۶ پر)

وسیلہ

سجاد خان (متعلم بی بی اے آنرز)

لفظ وسیلہ "وسل" مصدر سے مشتق ہے جس کے معنی ملنے اور جڑنے کے ہیں۔ یہ "سین" اور "صاد" دونوں سے تقریباً ایک ہی معنی میں آتا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ وصل بالصاد مطلق ملنے اور جوڑنے کے معنی میں ہے اور وصل بالسین رغبت و محبت کے ساتھ ملنے کے مستعمل ہوتا ہے۔ لفظ وسیلہ کے معنی اس چیز کے ہیں جو کسی کو کسی دوسرے سے محبت و رغبت یا کسی اور ذریعہ سے ملادے۔ (لسان العرب، مفردات راغب)

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے

یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلہ (سورہ المائدہ ۵ : ۴۰)

ترجمہ : اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ڈھونڈو اس تک وسیلہ۔

مندرجہ بالا آیت میں دو چیزوں کا حکم دیا گیا ہے اول اتقوا اللہ یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرو کیونکہ خوف خدا ہی وہ چیز ہے جو انسان کو حقیقی طور پر خفیہ و اعلانیہ جرائم سے روک سکتی ہے۔ دوسرا ارشاد ہے وابتغوا الیہ الوسیلة اور اللہ تک پہنچنے کے لئے وسیلہ تلاش کرو۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے وسیلہ ہر وہ چیز ہے جو بندہ کو رغبت و محبت کے ساتھ اپنے معبود کے قریب کردے۔ اس لئے سلف صالحین، صحابہ و تابعین نے اس آیت میں وسیلہ کی تفسیر طاعت و قربت اور ایمان و عمل صالح سے کی ہے۔

بروایت حاکم حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وسیلہ سے مراد قربت واطاعت ہے۔ اور مسند احمد کی ایک صحیح حدیث شریف میں ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ وسیلہ ایک اعلیٰ درجہ ہے جنت کا جس کے اوپر کوئی درجہ نہیں ہے تم اللہ سے دعا کرو کہ وہ درجہ مجھے عطا فرمادے۔ اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب مؤذن اذان کہے تو تم

بھی وہی کلمات کہتے رہو جو مؤذن کہتا ہے اس کے بعد مجھ پر درود پڑھو اور میرے لئے وسیلہ کی دعا کرو۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ وسیلہ ایک خاص درجہ ہے جنت کا جو رسول کریم ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے مگر اس کے ابتدائی اور متوسط درجات تمام مؤمنین کے لئے عام ہیں اسی طرح وسیلہ کا اعلیٰ درجہ رسول کریم ﷺ کے لئے ہی مخصوص ہے اور اس کے نیچے درجات سب مؤمنین کے لئے آپ ﷺ ہی کا واسطہ اور ذریعہ سے عام ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے "تفسیر مظہری" میں اس پر متنبہ فرمایا ہے کہ لفظ وسیلہ میں محبت و رغبت کا مفہوم شامل ہونے سے اس طرف اشارہ ہے کہ وسیلہ کے درجات میں ترقی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت پر موقوف ہے اور محبت پیدا ہوتی ہے اتباع سنت سے۔ کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ **فاتبعونی یحببکم اللہ** اس لئے جتنا کوئی اپنی عبادات، معاملات، اخلاق، معاشرت اور زندگی کے تمام شعبوں میں رسول کریم ﷺ کی سنت کا اتباع کرے گا اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی محبت اس کو حاصل ہو گی اور وہ خود اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہو جائے گا اور جتنی زیادہ محبت بڑھے گی اتنا ہی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو گا۔

لفظ وسیلہ کی لغوی تشریح اور صحابہ و تابعین کی تفسیر سے جب یہ معلوم ہو گیا کہ ہر وہ چیز جو اللہ) کی رضا اور قرب کا ذریعہ بنے۔ وہ انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کا وسیلہ ہے۔ اسی طرح انبیاء و صالحین کی صحبت و محبت بھی داخل ہے کہ وہ بھی رضائے الٰہی کے اسباب میں سے ہے اور اسی لئے ان کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا درست ہوا جیسا کہ جب حضرت عمر نے قحط کے زمانے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور ایک روایت میں رسول کریم ﷺ نے خود ایک نابینا صحابی کو اس طرح دعا مانگنے کی تلقین فرمائی۔

الھم انی اسئلك و اتوجه اليك بنبيك محمد نبی الرحمة (منار)

(تفسیر معارف القرآن)

حضرت آدم علیہ السلام نے مصطفیٰ ﷺ کے وسیلہ سے مغفرت طلب کی تو معافی مل گئی۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب آدم علیہ السلام سے خطا کا ارتکاب ہو گیا تو انہوں نے (جناب باری تعالیٰ میں) عرض کیا کہ اے پروردگار! میں آپ سے بواسطہ محمد ﷺ کے درخواست کرتا ہوں کہ میری مغفرت کر دیجئے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے آدم! تم نے محمد ﷺ کو کیسے پہچانا حالانکہ ہنوز میں نے ان کو پیدا بھی نہیں کیا۔ عرض کیا اے رب! میں نے اس طرح سے پہچانا کہ جب آپ نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور روح میرے اندر پھونکی تو میں نے سر جو اٹھایا تو عرش کے پایوں پر یہ لکھا ہوا دیکھا

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

سو میں نے معلوم کر لیا کہ آپ نے اپنے نام پاک کے ساتھ ایسے ہی شخص کے نام کو ملایا ہو گا جو آپ کے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ پیارا ہو گا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا اے آدم! تم سچے ہو واقعی وہ میرے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ پیارے ہیں اور جب تم نے ان کے واسطہ سے مجھ سے درخواست کی ہے تو میں نے تمہاری مغفرت کی اور اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تم کو بھی پیدا نہ کرتا۔ روایت کیا اس کو بیہقی نے اپنے دلائل میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلام کی روایت سے اور کہا کہ اس کے ساتھ عبدالرحمٰن منفرد ہیں اور روایت کیا اس کو حاکم نے اور اس کی تصحیح کی اور طبرانی نے بھی اس کو ذکر کیا اور اتنا اور زیادہ ہے کہ (حق تعالیٰ نے فرمایا کہ) وہ تمہاری اولاد میں سب انبیاء سے آخری نبی ہیں۔

قریش کا حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے دعا مانگنا اور بارش برسنا:

حافظ ابو سعدی نیشاپوری ابی بکر ابی مریم سے اور انہوں نے سعید بن عمرو انصاری سے اور انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے کعب الاحبار سے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا نور مبارک جب عبدالمطلب رضی اللہ عنہ میں منتقل ہوا اور وہ جوان ہو گئے تو ایک دن حطیم میں سو گئے جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ آنکھ میں سرمہ لگا ہوا ہے، سر میں تیل پڑا ہوا ہے اور (باقی صفحہ ۴۲ پر)

سرِ بازار می رقصم

حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

نمی دانم کہ آخر چوں دمِ دیدار می رقصم
مگر نازم بہ ایں ذوق کہ پیشِ یار می رقصم

تو آں قاتل کہ از بہرِ تماشا خونِ من ریزی
من آں بسمل کہ زیرِ خنجر خونخوار می رقصم

بیا جاناں تماشا کُن کہ در انبوہِ جانبازاں
بصد سامانِ رسوائی سرِ بازار می رقصم

خوشا رندی کہ پامالش کند صد پارسائی را
زہے تقویٰ کہ من بہ جبہ و دستار می رقصم

منم عثمان ہارونی کہ یارِ شیخ منصورم
ملامت می کند خلقے و من بر دار می رقصم

بعد نبوت

نور مبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکی اور مدنی زندگی اور عرفان حقائق

رئیس المفسرین حضرت علامہ سید حامد حسن بلگرامی مدظلہ

آیئے ذرا غور سے اس مکی زندگی پر ایک اجمالی نظر ڈالیں جس میں ایمان کی بنیادیں ڈالی گئیں، اہل ایمان کے تیقن کے لامتزلزل ستون قائم کئے گئے اور حسن عمل کی بلند ترین معیار کا تعین ہوا۔

ہر چند کہ یہ مکی دور ولربك فاصبر کا دور ہے لیکن یہ وہ صبر ہے جو شکر کا انداز لئے ہوئے ہے اور انداز ہی نہیں بلکہ اس کے بین ثبوت فراہم کر رہا ہے۔

جو لوگ اس دور میں مشرف بہ اسلام ہوئے انہیں سوائے تکلیفوں اور اذیتوں کے اور کچھ نہ ملا، گرم ریت پر لٹائے گئے، آگ کی دھونیاں ناک میں دی گئیں، گرم پتھر ان کے سینوں پر رکھے گئے، جلتے ہوئے انگاروں پر انہیں لٹایا گیا، سڑکوں پر انہیں کھینچا گیا لیکن وہ عزم، حوصلہ و ایمان کے پہاڑ اپنی جگہ پر قائم رہے اور ان کی زبانوں پر احد، احد کے سوا کچھ نہ تھا۔ گویا یہ وہ بزرگ ہستیاں تھیں جنہوں نے کسی کی نظر التفات کے صدقہ میں پہلے ہی مرحلہ میں قرآن ختم کر لیا اور کسی قل کے کہنے والے کے طفیل خود سورہ اخلاص کی تنویر بن گئے۔ سبحان اللہ

واضح رہے کہ یہ ان ہستیوں اور روشن چراغوں کا دور ہے جنہوں نے خود آگ میں جل کر ظلمتوں کو چھانٹا اور یہ ان پاک مومن و مومنات کا دور تھا جن کے قلوب میں باوجود تمام دشنام طرازیوں اور اذیتوں کے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق کوئی وسوسہ تک نہ آیا۔

اس دور نے عبادت و عبدیت کے معیار قائم کئے اور اخلاق اور اخلاص کے جواہر پاروں سے عالم انسانیت کو بہرہ مند کیا۔

اللہ تعالیٰ کا کلام، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے نکلتا لیکن ان کی رگ و پے میں سرایت کر جاتا "یہ قرآن میں سے گذرتے، قرآن ان میں سے گذرتا" یہ شاہد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تھے اور شاہد انوار

قرآن بھی اور --- اور --- خالصتاً اللہ کے بندے، جاں نثار نبوت، پروانہ شمع رسالت اور پرستار توحید۔ انہوں نے کلمہ پڑھا ہی نہیں، خود کلمہ بن گئے اُن کا باطن لا الہ الا اللہ کی جلوہ گاہ بنا اور ان کا ظاہر محمد رسول اللہ کا آئینہ دار اور ان کے ظاہر و باطن کی یکائی میں کبھی فرق نہ آیا، انہوں نے کلمہ کے ٹکڑے نہ ہونے دیئے توحید مطلقہ پر ان کا ایمان رہا۔

یہ وہ بزرگ ہستیاں ہیں جن کے تصور ہی سے "سبحان اللہ" زبان پر جاری ہو جاتا ہے۔ حمد کے مرقع، نظر میں گھوم جاتے ہیں اور "اللہ اکبر" کی مسجدوں سے اٹھتی ہوئی صدائیں فضا میں روح بلالی رضی اللہ عنہ کی گلاب پاشی کر جاتی ہیں۔

یاد رہے --- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ ضبط و تحمل صبر و استقلال انعکاس ذات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے باعث تھا۔ اور وہ سبب کیا تھا؟ فیضان نبوت --- وہی انوار شمع عرفان جس کی یہ معزز ہستیاں رضی اللہ عنہم مرد و زن پروانے بنے ہوئے تھے

و صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم

اور خود --- اب یہ نور مبین صلی اللہ علیہ وسلم پیکر بشریت میں جلوہ نما تھا، اس کی راتیں "المزمل" کی تفسیر اور اس کے دن "المدثر" کے مرقع تھے یعنی سورہ مزمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب ذکر و فکر، آداب خرقہ پوشی کی ترجمان تھی تو سورہ المدثر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انداز تبلیغ و خیر اندیشی کی آئینہ دار۔ گویا یہ ذات مقدسہ ہمہ وقت و ہمہ تن دین متین کے فروغ کے لئے کوشاں تھی جس کے عزم و استقلال کو نہ راتوں کی کافرانہ سازشیں اور نہ دن کی اذیتیں ذرا جنبش دے سکیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر حال میں ولربک فاصبر کا ستون محکم بنے رہتے۔

ہر چند کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی کافرانہ فضاؤں میں آنکھیں کھولیں لیکن ہمیشہ توحید مطلقہ کی پرنور فضاؤں ہی میں سانس لیا اور اسی کو مقصد حیات، منزل اول، قرار دے کر رنج و غم، کرب و بلا تکلیف و اذیت کے مراحل سے گذرتے رہے۔

یہی وہ خاتم النبیین رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے تیرہ سال کے مختصر زمانہ میں

مخلصین لہ الدین کی انس و جن دونوں میں ایک ایسی جماعت پیدا کردی جو رہتی دنیا تک اپنی مثال آپ ہے اور جنھوں نے آخرت کا پروانہ نجات دنیا میں ہی حاصل کر لیا۔ یہی وہ نبی برحق ﷺ ہیں جو درد امت کے لئے عزیز علیہ ما عنتم کی تفسیر ہے۔

یاد رہے نور کی تقسیم نہیں ہوتی نور متعلق بہ نور ہے، نور کا تعلق ہر حال میں نور سے باقی رہتا ہے۔ یہ تعلق نور مبین ﷺ کا ہر امتی سے ہے۔ پھر سوچو کہ جب ان سابقون الاولین پر مصیبت کے پہاڑ ٹوٹے ہوں گے تو قلب رسول کریم ﷺ پر کیا گذرتی ہو گی۔ ہر صحابی رضی اللہ عنہ کے لئے اپنا غم تھا یا غم رسول ﷺ، لیکن حضور ﷺ کے قلب اطہر پر سب کے غم ہر مومن و مومنہ کے درد و کرب کے برداشت کی قوت من جانب اللہ ہی تھی ورنہ اسے کون اٹھا سکتا تھا۔

یہ وہ نبی مکرم ﷺ ہیں جنھوں نے اپنی ذات مبارکہ میں رسالت اور عبدیت کے انوار بیک وقت سمو لئے۔ مقام عبدیت میں اپنی عبدیت کا اظہار اپنے رب کے حضور عجز، انکسار، گریہ وزاری کے ساتھ صورت سوال بن کر کیا اور اس کی مخلوق اور اپنی امت کے سامنے اپنی رسالت، اپنے پیغام کی صداقت کا ہر حال میں ثبوت دیا۔ قولاً فعلاً عملاً اور نوراً جس پر حضور ﷺ کے ارشادات اور معجزات آج بھی شاہد ہیں اور اس دور میں بھی سب کا حق اسی مکہ میں ادا کیا گیا جسے ظلم و بے کسی و بے بسی کا دور کہا جاتا ہے۔

اس تیرہ سال کے دور میں لفظ احد کے عدد سے ہم عدد ہے۔ اللہ جل شانہ کی شان یکتائی پر ایمان لانے والوں کے وہ نمونے پیش کئے گئے کہ یقیناً ملائک کو پہلی بار اپنے رب کے فرمان پر کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو، ایک روحانی مسرت و فخر کا احساس ہوا ہو گا۔

اور یہی وہ دور ہے جس میں محدود کی سرحدوں کو توڑ کر لا محدود سے منسلک کر دیا گیا۔ آخرت مومن کی جولانگاہ بن گئی۔ علم تو آدم علیہ السلام کو بھی عطا ہوا تھا وہ علم اسماء تھا لیکن علم کامل سے انسان کامل ﷺ کو سرفرازی بخشی گئی۔

یہی وہ مکی دور ہے جس میں علم کو صرف محسوسات اور دنیاوی امور میں معاون بننے کے

حدود سے نکال کر مقصد حیات، آخرت و رضائے الٰہی سے سادرجہ منسلک کر دیا گیا کہ سوائے انبیاء اولوالعزم علیہم السلام کی زندگی کے اور کہیں نظر نہیں آتا۔

اور خود حضور ﷺ کے علم کی وسعتوں پر تو واقعات معراج ہی شاہد ہیں جو اسی دور سے متعلق ہے۔ جہاں اس حقیقت کو دل نشین وروح نشین فرمادیا گیا کہ علم ہی اولین صفت الٰہی ہے علم نور ہی ہے، فکر کی بالیدگی، روح کی شگفتگی اسی سے ہے اور اس کا مخزن اور سرچشمہ حضور سرور کائنات ﷺ منبع علم و حکم ہی ہیں جو جس قدر آپ ﷺ سے قریب ہو گا اسی قدر اس علم و عرفان کے لئے اس کا سینہ خود بخود کشادہ ہوتا جائے گا۔

اب یہی محبت رسول ﷺ علم و عرفان کی جوئے نور بن جائے گی۔ اجمال کے ساتھ لطف و کرم کے ساتھ، یقین محکم کے ساتھ، عمل پیہم کے ساتھ۔ واضح رہے کہ یہ دور اجمالی کا تھا۔ ابھی اس نور مبین ﷺ کے وہ اہم پہلو جلوہ گر ہونے کو باقی تھے جن کے باعث معراج سے واپسی ہوئی تاکہ کار نبوت کی تکمیل ہو توحید مطلقہ کی عملی صورتیں، انفرادی اور اجتماعی زندگی میں آشکارا ہوں اور تا قیام قیامت مسلمانوں کی زندگی سے متعلق ہر پہلو کے لئے راہوں کا تعین ہو جائے اور ابھی اس سرزمین مکہ سے اکملت لکم دینکم کا مژدہ جانفزا اللہ رب العزت کے دربار سے ہونا باقی تھا۔

یہی وہ دور ہے جس میں ہجرت کے انوار سے سرفرازی بخشی گئی یعنی عوام کے لئے ہجرت حضور ﷺ کی زبان مبارک میں یوں ہے کہ برائی سے بھلائی کی طرف گامزن ہیں اور خواص کے لئے ہجرت یہ قرار پائی کہ مہاجر الی اللہ بنیں اور نقش پائے صدیق رضی اللہ عنہ کو نشان راہ حق بنا کر ظاہراً و باطناً حضور ﷺ سے وابستہ نور ہونے کا سبق سیکھیں۔

اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے لئے ہجرت یہ ہے کہ امانتوں کی ادائیگی پیش نظر رہے اور ان کا باطن رسول مقبول ﷺ کی محبت سے منور رہے۔ ان کے قدم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرح بستر رسول مقبول ﷺ سے قدم رسول مقبول کی مسافتیں طے کرتے رہیں

تاکہ ان کے زخموں کو سرور کائنات ﷺ کا لعاب دہن اسی دنیا میں نصیب ہو اور آخرت میں بھی قرب رسول کریم ﷺ ان کا نصیبہ ہو۔ مقصود کائنات ﷺ ہی ان کی منزل مراد ہے۔ اپنے آقا ﷺ کا ہو جانا---اور-- حضور ﷺ کی قدم بوسی ہی کو اپنی معراج تصور کرنا تاکہ کسی پروانہ شمع نبوت کی طرح کہہ سکیں

للہ الحمد سرفراز شدم | نور حق بہ نور محمد دیدم

مدنی زندگی

سبحان اللہ سبحان اللہ

الحمد للہ الحمد للہ

لو بھائی گلستان مدینہ کی مہک آرہی ہے

میں اب سجدہ کرو، دل کو سنبھالوں یا بڑھو آگے | نظر آتا ہے کوسوں سے کسی کا آستاں مجھ کو

آیئے نذرانہ عقیدت پیش کریں

اللھم صل علی سیدنا و مولانا محمد النبی الامی معدن الجود والکرم منبع العلم والحلم و علی الہ و بارک وسلم صلی اللہ علی النبی الامی و آلہ صلی اللہ علیہ وسلم

صلوٰۃ و سلاما علیک یا رسول اللہ

مدینہ منورہ میں داخلہ

نماز جمعہ سے فارغ ہو کر نور مبین ﷺ یثرب میں جنوب کی طرف سے داخل ہوئے اور پہلا فیضان نبوت یہ تھا کہ اب یثرب مدینۃ النبی ہو گیا اور "مدینہ" نام پایا۔

حضور ﷺ کی تشریف آوری کے وقت وہی جوش و خروش وہی تسبیح و تقدس کے کلمات مردوں عورتوں اور بچوں کی زبانوں پر تھے جو بقول قاضی محمد سلمان صاحب منصور پوری "نور خدا کا جلوہ دیکھنے کے لئے سراپا چشم بن گئے تھے۔ زبانوں پر مرحبا صل علی اللہ اکبر کے ساتھ ساتھ

معصوم بچیوں کے دلنواز ترانے عجب پر کیف سماں پیش کر رہے تھے

اشرق البدر علینا — من ثنیات الوداع
و جب الشکر علینا — ما دعا للہ داع
ایها المبعوث فینا — جئت بالامر المطاع
ان پہاڑوں سے جو ہے سوئے جنوب — چودہویں کا چاند ہے ہم پر چڑھا
کیسا عمدہ دین اور تعلیم ہے — شکر واجب ہے ہمیں اللہ کا
ہے اطاعت فرض تیرے حکم کی — بھیجنے والا ہے تیرا کبریا

(رحمت للعالمین صفحہ ۹۵)

یہ وہی لڑکیاں ہیں جو ان اصحاب کی اولاد تھیں جنہوں نے حضور ﷺ کے ہاتھ پر مکہ معظمہ میں بیعت کی تھی یا وہ جو مصعب بن عمر یا ابن مکتوم رضی اللہ عنہ کی ہدایت اور تعلیم سے مدینہ میں مسلمان ہوئے تھے۔ حضور سرور کائنات ﷺ جب مدینہ میں داخل ہوئے تو ہر انصاری کی خواہش تھی کہ آپ ﷺ اس کے گھر میں رونق افروز ہوں۔ ہر شخص اپنی جان و مال سے خدمت کو تیار تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو۔ یہ خدا کی طرف سے مامور ہے یہ اونٹنی پہلی بار جہاں بیٹھی وہ قبیلہ بنی نجار کے دو کمسن بچوں کی زمین تھی لیکن حضور ﷺ نیچے نہ اترے، وہ پھر اٹھی اور تھوڑی دور چل کر پھر گھوم کر پہلی جگہ کے قریب بیٹھ گئی اور گردن جھکا دی تب حضور ﷺ اس پر سے اتر آئے اور حضرت ابو ایوب انصاری جن کا گھر اس جگہ سے قریب تھا، اونٹنی کا کجاوا اور دوسرا سامان اپنے گھر لے گئے اور آپ ﷺ انہیں کے یہاں فروکش ہوئے پھر ان دو بچوں کی زمین کو خرید کر وہاں "مسجد نبوی" کی سادہ تعمیر کے کام کا آغاز فرمایا اور حضور ﷺ نے بنفس نفیس اصحاب کے ساتھ مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا اور اسی کے ساتھ اپنے حجرے تعمیر فرمائے اور پھر ان میں منتقل ہوئے۔

آغاز کار

آغاز کار یہاں مسجد ہی سے ہوا گویا حضور ﷺ نے مسلمانوں کے قلوب میں یہ بات راسخ

فرمائی کہ جہاں جاؤ وہاں اپنے گھر کی تعمیر سے پہلے مسجد کی تعمیر ضروری سمجھو۔ جو تمہاری عبادات اور اجتماعی زندگی کا مرکز ہو اور اس کی بنیاد خالص توحید و تقویٰ پر ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے قبا کے مختصر قیام میں بھی سب سے پہلے مسجد قبا کی بنیاد رکھی اور بنیاد ہی نہیں بلکہ اس کی تعمیر میں اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ کام کیا، یہی وہ مسجد جس کی تعمیر اللہ رب العزت کی بارگاہ میں قبولیت کی سند سے سرفراز ہوئی اور پھر مدینہ منورہ میں داخلہ کے ساتھ ہی آغاز کار مسجد ہی سے فرمایا۔ مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا کہ:

آیت کریمہ سورہ توبہ (۱۰۸)

لمسجد اسس علی التقویٰ من اول یوم احق ان تقوم فیه فیه رجال یحبون ان یتطهروا واللہ یحب المطهرین

ترجمہ: وہ مسجد جس کی بنیاد اول دن سے پرہیزگاری پر رکھی گئی وہ اس لائق ہے کہ آپ ﷺ اس میں کھڑے ہوں (وہاں تشریف لے جائیں یا نماز پڑھیں) اس (مسجد) میں ایسے لوگ (آتے) ہیں جو پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اس آیت کو اکثر مفسرین نے مسجد قبا سے متعلق کیا ہے لیکن اس کا اطلاق دونوں مساجد پر ہوتا ہے مسجد قبا پر بھی اور مسجد نبوی پر بھی۔ یہ آیت کریمہ دونوں پر صادق ہے کہ دونوں کی تاسیس و تعمیر اول دن سے تقویٰ پر ہے۔ (مدارج النبوت، جلد دوم صفحہ ۱۱۱)

آیئے ---- اس آغاز کار سے متعلق چند اہم امور پر ایک اجمالی نظر ڈالیں جو حضور ﷺ کی مدنی زندگی اور آپ ﷺ کے طریقہ کار کی تفہیم میں معاون ہے۔

ایک حقیقت کا اعلان

پہلی اہم بات یہ ہے کہ:

حضور ﷺ جب مدینہ میں داخل ہوئے تو جمعہ کی نماز اپنے سو (۱۰۰) ہمراہیوں کے ساتھ مدینہ منورہ کے محلہ بنو سالم بن عوف میں پڑھی اور جمعہ کا خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہ خطبہ ایک

خصوصی اہمیت کا حامل تھا گویا اہل مدینہ اور خود اپنے ساتھیوں پر اس حقیقت کا ایک برملا اعلان تھا کہ نبی کے قیام و ہجرت کے مقصد میں فرق نہیں ہوتا۔ اس کا مقصد حیات اللہ کے پیغام کو بلا خوف و تردد لوگوں کے سامنے پیش کرنا ہوتا ہے۔ اس کی غرض لوگوں کو ہدایت اور مخلوق خدا کی خیر خواہی ہوتی ہے وہ کسی سے کوئی اجر نہیں چاہتا۔ اس کا اجر اللہ کی رضا ہوتا ہے۔

اس اعلان کے ساتھ ہی یہ امر بھی واضح کرنا تھا کہ مدینہ کی جانب ہجرت اسی وحی الٰہی اور اللہ کے پیغام کو بدلے ہوئے حالات کے تحت اور زیادہ قوت اور وضاحت سے پیش کرنا تھا جس کا آغاز مکہ معظمہ میں ہوا، جس کا لب لباب توحید، رسالت، آخرت اور تقویٰ ہی ہے۔ وہ تقویٰ جو نہ صرف مساجد کی اساس اور بنیاد ہوتا ہے بلکہ جس پر مومن کی سیرت کی تشکیل ہوتی ہے، جس کی روح اتباع و محبت رسول ہے اور یہ غلط فہمی ہرگز نہ ہو کہ مسلمان یہاں تلاش سکون میں آئے ہیں اسلامی نظام زندگی پر مکمل عمل انفرادی طور پر ممکن نہیں۔ مدینہ آنے کا مقصد اسلامی معاشرہ اور مملکت کا قیام تھا اور یہ راستہ بے حد دشوار اور کٹھن تھا۔

پہلے خطبہ جمعہ میں آپ ﷺ نے اللہ کی وحدانیت اور خود محمد ﷺ کے اللہ کے رسول اور بندے ہونے پر خاص زور دیا۔ آخرت کا بیان واضح انداز سے فرمایا اور ایک بھائی کو دوسرے بھائی کے لئے نیکی اور خیر خواہی کی تلقین فرمائی۔ عمل صالح کی اہمیت کی طرف خصوصی توجہ مبذول فرمائی اور ہر چند کہ یہ پہلا خطبہ تھا جو ایک آزاد فضا میں دیا جا رہا تھا لیکن حضور ﷺ نے اس خطبہ میں نہ مکہ کے بت پرستوں اور مشرکوں کے مظالم اور اذیتوں کا ذکر فرمایا اور نہ ان کو کسی بد لفظ سے یاد کیا، یہ بڑے حوصلہ کی بات تھی اور مقام رسالت کے تحمل، صبر اور استقلال پر ایک فطری دلیل ہے جس کو قرآن حکیم نے یوں واضح کیا ہے

و انک لعلی خلق عظیم (القلم : ٤) (اور بے شک آپ (ﷺ) عظیم اخلاق پر فائز ہیں)

اس میں یہ نکتہ بھی پوشیدہ ہے کہ حضرت مخبر صادق ﷺ پر یہ حقیقت آشکارا تھی کہ ان مشرکوں کی بڑی غالب اکثریت دامان اسلام میں پناہ لینے والی تھی۔ گویا یہ خطبہ مدینہ منورہ میں

داخل ہونے سے قبل ہی حضور ﷺ کے مقصد ہجرت کا وہ دیباچہ تھا جس پر مدینہ میں کتاب التوحید کی تکمیل قلوب پر ہونا تھا۔

مکہ میں حضور ﷺ کو مت پرستوں اور مشرکوں کا سامنا تھا لیکن مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی ایک اچھی خاصی تعداد کے باوجود مت پرستوں اور یہود و نصاریٰ کی جماعتوں کا سامنا کرنا پڑا، یہی نہیں بلکہ ان کے علاوہ ایک نہایت مطعون طبقہ مدینہ میں پیدا ہوا وہ منافقین کا تھا جو دل سے مسلمان نہ تھے لیکن منہ سے خود کو مسلمان کہتے اور ہر طرح کی سازشوں میں شریک رہتے تھے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم کے ابتداء ہی میں جب انسانی تین قسموں کا ذکر ہوا تو سورہ البقرہ کے پہلے رکوع میں پانچ آیات مسلمانوں کے متعلق دو کفار کے متعلق بیان ہوئیں اور پھر دوسرے رکوع میں پوری کی پوری تیرہ آیات منافقین کے حال، ان کی مزاجی کیفیت، ان کی حیلہ سازی فتنہ پردازی اور ان کے انجام کار کے متعلق نازل ہوئیں تاکہ مسلمان ہمیشہ اس طبقہ سے باخبر ہیں جس سے اسلام کو ہمیشہ خطرہ لاحق ہوتا رہے گا اور اس کے بعد پوری تفصیل سے یہود و نصاریٰ کا ذکر آتا ہے۔

ہر چند حضور ﷺ کو مدینہ منورہ میں قریش مکہ کی اذیتوں سے کچھ نجات ملی، لیکن یہود و نصاریٰ اور منافقین کی سازشوں اور ان کے متواتر حملوں سے دوچار ہونا پڑا اور یہ اس بابرکت ذات نبوی ﷺ کا فیضان تھا کہ ان کے یہی فتنے اور سازشیں اسلام کی گوناگوں رحمتوں کا موجب بنیں۔

مکہ معظمہ میں جن چار عناصر ضبط، تحمل "لربك فاصبر" اور استقلال پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت کی تشکیل کی بنیاد رکھی تھی اس کا نتیجہ مکہ میں یوں ظاہر ہوا کہ ۱۳ سال کے مختصر قیام میں توحید کی روح احدیت باری تعالیٰ مسلمانوں کے دلوں میں اس طرح گھر کر گئی کہ دنیا کی کوئی اذیت، کوئی تکلیف ان کے عزم کو متزلزل نہ کر سکی۔ گویا مکی زندگی نور مبین ﷺ کی ذات مبارکہ کا وہ پرتو تھی جو زبانوں پر احد احد بن کر آشکارا ہوا تھا۔ لیکن اب مدینہ منورہ کی آزاد فضاؤں میں وقت آگیا تھا کہ دین حنیف کی انہیں بنیادوں پر ایک ایسی لازوال عمارت کی تعمیر ہو جس پر

اسلام کا پرچم تا ابد آلاباد لہر تا رہے اور مسلمانوں کی زندگی کا ہر گوشہ توحید باری تعالیٰ کے رنگ میں رنگ جائے ۔ ان کا باطن اگر لا الہ الا اللہ کی جلوہ گاہ ہو تو ان کا ظاہر محمد رسول اللہ کا آئینہ دار رہے بلکہ ان میں وجود باری تعالیٰ کی اہمیت کا ایک ایسا یقین پیدا ہو جائے کہ فکر انسانی کے خود ساختہ بت اس سے ٹکرا کر خود پاش پاش ہو جائیں اور مومن کی زندگی کے ہر شعبہ کے لئے راہوں کا تعین ہو جائے خواہ اس کا تعلق تعلیم و تربیت سے ہو یا معاشرتی و معاشی زندگی سے ، جنگ سے ہو یا صلح سے ، مردوں سے ہو یا عورتوں سے ، اسلامی دنیا کے حدود سے ہو یا غیر ممالک سے ۔ گویا مہد سے لحد تک کا ایک منظم نظام ، رسول برحق ﷺ کے انوار سے آشکارا ہو ۔ مختصراً یوں کہئے کہ مکی زندگی اس نور مبین کی آئینہ ذات تھی تو مدنی زندگی آئینہ صفات بنی یعنی ترجمان احمد و تفسیر محمد ﷺ ۔ مکہ معظمہ میں اگر انفرادی زندگی کی تشکیل ہوئی اور ایسی ہستیاں فیضان نبوت کا ظہور بن کر سامنے آئیں جو قابل اعتماد اور نور ایمان سے مزین تھیں ، تو یہاں مدینہ منورہ میں ایک جماعتی زندگی کی تشکیل حضور سرور کائنات ﷺ کے پیش نظر تھی یعنی قومی زندگی کی ایک ایسی عمارت جس کی اینٹیں مکہ میں بنی تھیں لیکن مدینہ میں ان کو اس انداز سے چنا گیا کہ مکی اور مدنی مہاجر و انصار سب ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے ، ان کی قوت ایمانی ، ان حمیت اسلامی ان کی محبت و فدائیت کے جلوے دنیا نے دیکھے اور وہ تاریخ عالم میں اپنی مثال آپ بنے ۔

صلوا علیہ و آلہ و صحبہ اجمعین

کتاب مدینہ کے پریشان اوراق کی جزوبندی اور جلد بندی کے لئے ضروری سمجھا گیا کہ ایک اتحاد کی صورت پیدا کی جائے ۔

مواخاۃ

جو مسلمان مدینہ کے رہنے والے تھے وہ کوئی بڑے تاجر اور مالدار لوگ نہ تھے ، دولت و ثروت یہود کے ہاتھوں میں تھی ۔ اقتدار بھی انہی کے قدم چوم رہا تھا البتہ ایمان کی دولت سے سرفرازی کے بعد مسلمانوں میں ایک کیفیت استغنا اور باہمی محبت ضرور پیدا ہو گئی تھی ۔ حضور

ﷺ کی آمد سے اس پر نور علیٰ نور کی موجب ہوئی حضور نے پہلا کام یہ کیا کہ مدینہ کے جن لوگوں نے اسلام کی مدد کی تھی ان کا نام "انصار" قرار پایا جو لوگ مکہ سے ہجرت کر کے آئے تھے اور اپنے عزیز و اقارب، مال و دول سب چھوڑ کر مدینہ آئے تھے انہیں "مہاجر" کا لقب دیا اور اس غرض سے کہ یہ آپس میں مل جل کر رہیں، آپ ﷺ نے ان میں بھائی چارہ فرمایا۔ اس طرح مہاجر و انصار ایک دوسرے کے رنج و راحت میں شریک بن گئے۔ انصار نے اپنی منقولہ و غیر منقولہ جائیداد کا نصف اپنے مہاجر بھائیوں کو دے دیا۔ بعض انصار نے تو مواخاۃ کا حق اس حد تک ادا کیا کہ اگر ان کے دو بیویاں تھیں تو ایک کو طلاق دے کر اپنے مہاجر بھائی کے نکاح میں دے دی۔ تاریخ عالم ایسی اخوت کی مثال کہاں پیش کر سکتی ہے۔ اس مواخاۃ کی تقریب میں حضور ﷺ نے پیش قدمی فرمائی اور آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا "یہ میرے چچازاد بھائی ہیں اور اب دینی بھائی بھی" پھر مختلف قبیلوں اور مہاجرین کے درمیان رشتے مستحکم ہوئے۔ تقریباً ۴۵ انصار خاندان اور ۴۵ مہاجر خاندان اس طرح شیر و شکر ہو گئے جیسے حقیقی بھائیوں کے خاندان ہوں اور یہ دونوں قبیلہ اوس و خزرج جو آپس میں ہمیشہ برسرپیکار رہتے تھے ایک دوسرے کے دوست بن گئے اور انکے دل صاف ہو گئے، نفرت کی جگہ محبت نے لے لی۔ حضور ﷺ نے دعا فرمائی

"اے اللہ! ہمارے صاع اور مد (ناپ اور تول) میں برکت عطا فرما اس شہر کو ہمارے لئے توانائی کا شہر بنا دے ------"

حضور ﷺ کی یہ دعا بارگاہ ایزدی میں قبول ہوئی اور مدینہ ہر بیمار کے لئے موجب صحت موجب انوار اور موجب ایمان بن گیا اور مدینہ کے ۲۹ اچھے اچھے نام لوگوں کی زبانوں پر آئے جس سے طیبہ مدینہ هذا البلد خصوصی انوار کے حامل ہیں۔

مدینہ کی آبادی

مدینہ منورہ میں اکثریت یہود کی تھی جو اس لئے مدینہ میں آئے تھے کہ ان کے برگزیدہ نبی نے ان کو نبی آخر الزماں ﷺ کی بشارت سنائی تھی اور اس علاقہ کی خبر پہنچا دی تھی جو آخری نبی

کا مستقر بننے والا تھا۔ وہ نبی موعود کے یثرب میں منتظر تھے۔ انہیں یہ امید تھی کہ یہ نبی یہود کے قومی ادبار کو ان کے سروں سے دور کرے گا اور انہیں شان و شوکت، حکومت و سلطنت بخشے گا۔ وہی خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے قائل نہ تھے اور جب انہوں نے دیکھا سرور کائنات ﷺ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی برحق مانتے ہیں تو وہ آپ کے دشمن ہو گئے۔ ادھر مدینہ کے عیسائی ایک ایک نبی موعود کے منتظر تھے وہ بھی یہاں مقیم تھے، ان کو بھی امید تھی کہ یہ نبی ﷺ ان کو یہود کے مظالم سے نجات دلائے گا اور عیسائیت کے فروغ کا موجب ہو گا لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ آپ ﷺ عیسائیوں کے خود ساختہ اصول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا ہونا، تین خدا ہونا وغیرہ کو غلط سمجھتے ہیں تو وہ بھی آپ ﷺ سے منحرف اور آپ ﷺ کے دشمن ہو گئے

اس کے علاوہ مدینہ کی ایک ذی اثر شخصیت عبداللہ ابن ابی سلول تھا جس کا اوس و خزرج کے قبیلوں پر بڑا رعب تھا۔ برسہا برس کی جنگوں سے وہ قبیلے تنگ آچکے تھے اور عبداللہ ابن ابی' ان کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر، اب اپنی بادشاہت کا خواب دیکھ رہا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ یہ دونوں قبیلے اسلام کی طرف راغب ہو گئے تو اس نے یہود میں اپنا اثر و رسوخ بڑھایا اور دونوں پر اپنا اثر قائم رکھنے کے لئے صورت یہ اختیار کی کہ مسلمانوں میں بیٹھ کر مسلمانوں کا ساتھ دیتا گویا وہی مسلمان ہی ہے، اور یہود کی محفلوں میں جا کر یہود کی حمایت کرتا اور ان کی سازشوں میں شریک ہوتا۔ اور یہی وہ پہلی شخصیت ہے جس نے نفاق کا بیج مدینہ میں بویا، "منافق" کہلایا' منافق جیا، منافق مرا، اور اپنے ساتھ منافقین کو دوزخ میں اسفل السافلین کی راہ دکھائی۔

معاہدہ

حضور ﷺ نے ان منافقین کو قطعی نظر انداز فرما کر یہود و نصاریٰ سے ایک معاہدہ پہلے ہی سنہ ہجری میں یہ فرمایا کہ نسل اور مذہب کے اختلاف کے باوجود یثرب کے سب لوگ ایک ہی قوم سمجھے جائیں اور جو لوگ معاہدہ کرنے والی قوموں کے ساتھ جنگ کریں تو ان کے خلاف سب مل کر مدینہ منورہ کا دفاع کریں گے۔ جنگ کے دنوں میں یہود مسلمانوں کے ساتھ

مصارف میں شریک ہوں گے۔ مظلوموں کی مدد و نصرت کی جائے گی۔ مدینہ کے اندر کشت و خون معاہدہ کرنے والی سب قوموں پر حرام ہو گا، کوئی شخص اپنے معاہد کے ساتھ مخالفانہ کاروائی نہ کرے گا۔۔۔" (اقتباس از رحمت للعالمین جلد اول صفحہ ۱۰۰)

اس معاہدہ پر مدینہ کی تمام آباد قوموں نے دستخط کیے۔ پھر حضور ﷺ نے گردونواح کے قبائل کو بھی اس معاہدہ میں شامل کرنے کی سعی فرمائی جس کی تکمیل مختلف وجوہ سے نہ ہو سکی جس کی وجہ وہی یہود کی سازشیں اور کفار مکہ کے قلوب میں نفرت کی وہ آگ تھی جو ان کو چین نہ لینے دیتی تھی۔

مدنی زندگی کے دوران قیام، حضور ﷺ کے کوئی دو لمحے ایک سے نہیں گذرے کیونکہ آپ ﷺ کی ہر سانس اس اسلام کے فروغ کے لئے وقف تھی جس کو تا قیام قیامت نہ صرف زندہ رہنا تھا بلکہ جس کی حق و حقانیت کا ثبوت خود نمونہ بن کر دیا تھا۔

اس عاجز نے یہ لفظ "خود" اس لئے لکھا کہ اسلام کا خمیر اس کی تنظیم خود اپنی صداقت و حقانیت پر دال ہے۔ خواہ اسے مسلمان اپنی زندگی میں اپنائیں یا نہ اپنائیں۔ ایک وقت آئے گا اور ضرور آئے گا کہ اس کی حقانیت عالم پر روشن ہو کر رہے گی اور یہ وہ فیضان نور نبوت ہو گا جس کے ملائکہ منتظر ہیں۔ لیکن حضور ﷺ کو اس وقت تو اس حقیقت کو خود آشکار فرمانا تھا چنانچہ مکہ میں عرفان ذات باری تعالیٰ کے لئے نور مبین ﷺ نے تیرہ سال لئے۔ لیکن صفات نور حق کی پردہ کشائی دس سال میں ہی کر دکھائی۔

آیئے دیکھیں کہ حضور ﷺ کا طریقہ کار کیا تھا کہ یہی طریقہ کار آج بھی نور مبین ﷺ کے اسوہ حسنہ کی بازیافت کا ضامن ہے۔

طریقہ کار

اس نور مبین ﷺ کی حیات مبارکہ پر قلم کون اٹھا سکتا ہے جس کی تفسیر خود قرآن ہو اور ان کی ذات مبارکہ پر درود و سلام کا حق کون ادا کر سکتا ہے جس پر خود اللہ جل شانہ، ہر گھڑی

درود بھیج رہا ہے ---- البتہ مفسرین نے تفسیریں اپنی فہم کی حد تک لکھیں یا یوں کہئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تفسیر لکھنے کی سعادت سے نوازا اس طرح حضور سرور کائنات ﷺ کی حیات طیبہ پر ہر روز تقریباً ایک کتاب کا اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اسے بھی اللہ رب العزت ہی کی شان کریمی سمجھنا چاہئے۔

بزرگ سیرت نگاروں نے جو کچھ لکھ دیا اسی کی خوشہ چینی مختلف انداز سے عام ہوتی رہی، یہاں بھی انہیں مستند کتابوں کے حوالہ سے واقعات کا بیان ہے البتہ جس مقصد کے پیش نظر یہ خاکہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جارہی ہے اسی کی طرف توجہ مرکوز رکھنے کی کوشش کی گئی ہے یعنی ہر دور میں نور مبین ﷺ کے لامتناہی انوار جو کہیں خزانوں اور جڑوں کی طرح پوشیدہ رہے اور کہیں جمادات نباتات سے لے کر کائنات کی جملہ تخلیقات میں آشکارا ہوئے اور ہر دور میں وہ رسالت کی انجام دہی، ازازل تا ابد اسی شان سے جاری رہی اور رہے گی اور اس وقت بھی جب نہ زمان تھا، نہ مکان اور اس وقت بھی جب نور مبین ﷺ کے انوار اللہ رب العزت کی توحید مطلقہ واحدیت ذات پر شاہد ہوں گے۔

مکہ مکرمہ میں حضور ﷺ نے سیرت کی تشکیل کے لئے جن عناصر اربعہ کو اختیار فرمایا ان کا ذکر گذشتہ ابواب میں ہو چکا ہے یہاں انہیں ضبط، تحمل، لربك فاصبر اور استقلال ہی کی بنیادوں کو قائم رکھتے ہوئے اور اسی مقصد رسالت، توحید، رسالت، آخرت، تقویٰ اور احسان کے پیش نظر جن صفات کو حضور ﷺ نے انتخاب فرمایا وہ گویا انہیں اربعہ عناصر کی شاخیں تھیں، یہ بھی چار ہیں:

"ضبط" کے ساتھ "تنظیم" کو منسلک فرمایا کہ جماعتی زندگی کے لئے نظم و نسق ایک اہم حقیقت ہے۔

"تحمل" کے ساتھ فراست (مومن) کی تلقین فرمائی اور حکمت کے رموز کو آشکارا فرمانے پر زور دیا۔

لربك فاصبر کے ساتھ ایک آزاد زندگی کے لئے "جہاد فی سبیل اللہ" اور "شجاعت" کی تلقین فرمائی گئی۔

"استقلال" کے ساتھ "قدرت" کے حصول پر زور دیا خواہ یہ قدرت حواس خمسہ سے حاصل کی گئی ہو یا صفائے باطن و ذکر الٰہی سے۔ اگر ہم غور کریں تو آج بھی کسی ادارہ کے قیام سے لے کر بڑی سے بڑی مملکت کے قیام تک کے لئے انہیں اجزاء باطنی و ظاہری کو اپنا کر ہی حصول مقاصد میں کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے بشرطیکہ ہر قدم پر نیک نیتی و اخلاص پیش نظر رہے اور مقصد نفس پرستی نہیں، خیر خواہی مخلوق ہو۔

اب اسی "طریقہ کار" کا مختصر بیان حضور سرور کائنات ﷺ کے ان مراحل تبلیغ کے سلسلہ میں ہے جو مدنی زندگی میں آپ ﷺ کی فکر و عمل کا محور رہے۔ اس کی ابتداء "تنظیم" ہی سے ہوئی۔ وہ تنظیم جو مسلمانوں کو دن میں پانچ بار ضبط نفس کے ساتھ جماعتی زندگی کے فرائض سے آشنا کرے۔ یہ تحفہ صلوٰۃ تھا جو مکہ کی زندگی میں عطا ہو چکا تھا لیکن اس کا اجتماعی پہلو آشکارا نہ ہوا تھا۔ وہ کسی آزاد فضا کا منتظر تھا جو اسے مدینہ منورہ میں میسر آئی۔ اگر فرد کے لئے نماز ضبط نفس و اخلاص کے ساتھ یاد الٰہی کی تلقین ہے تو باجماعت نماز میں انہیں جماعتی زندگی سے ہم آہنگ رکھنے کی موجب ہوتی ہے اور آپس میں اتحاد و اتفاق کا باعث بنتی ہے بشرطیکہ دل صاف ہوں۔

اس جہاد محراب کے ساتھ، جہاد فی سبیل اللہ کے لئے بھی اسی تنظیم کی اہمیت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے تاکہ یہ جہاد بھی اسی ضبط نفس و اخلاص اور للّٰہیت کے پہلو لئے ہوئے ہو جو نماز کے اہم تقاضے ہیں۔ اس جہاد محراب کے لئے سب سے پہلے مساجد کی تعمیر کو اہمیت دی گئی۔ مسجد قبا کے مختصر قیام میں بھی اور مسجد نبوی کی تعمیر میں بھی اور اسی تنظیم کے ساتھ اولین اہمیت حصول قدرت کو عطا ہوئی اگر اللہ کے ذکر سے دلوں کو مستحکم بنانے اور تسکین کے لئے نماز اور نماز باجماعت کے ذرائع فراہم کے گئے تو حصول علم کے لئے بھی سب سے پہلے مسجد نبوی کی تعمیر کے ساتھ صفہ نبوی سے علم و عرفان کے چشمے جاری کئے گئے تاکہ "تحمل" کے ساتھ حکمت

و "فراست" کا عرفان ممکن ہو سکے اور بوجھ اٹھانا مقصد حیات نہ ہو بلکہ بوجھ کو ہلکا کرنا، نتائج کے حصول کی طرف پیش قدمی کرنا، صبر و تحمل کے ساتھ کاموں میں لگا رہنا مقصد حیات ہو اور لربك فاصبو کے ساتھ "جہاد فی سبیل اللہ" کو منسلک کر کے حق کے لئے جینے اور حق کے لئے مرنے کی تعلیم عطا کی گئی، حیات ابدی کے دریچے مومن کے لئے کھول دیئے گئے۔

بقیہ: وسیلہ

زیب تن ہے ان کو سخت حیرانی ہوئی کہ کچھ معلوم نہیں یہ کس نے کیا ہے؟ ان کے والد نے ان کا ہاتھ پکڑ کا کاہنان قریش کے پاس لے گئے اور سارا واقعہ بیان کیا، انہوں نے جواب دیا کہ معلوم کر لو کہ رب السمٰوت نے اس نوجوان کو نکاح کا حکم فرمایا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اول قیلہ سے نکاح کیا اور ان کی وفات کے بعد فاطمہ سے نکاح کیا جن سے حضرت عبداللہ علیہ السلام (آپ ﷺ کے والد ماجد) متولد ہوئے۔

حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے بدن سے مشک کی خوشبو آتی تھی اور رسول اللہ ﷺ کا نور ان کی پیشانی میں چمکتا تھا اور جب قریش میں قحط ہوتا تھا تو عبدالمطلب کا ہاتھ پکڑ کر جبل ثبیر کی طرف جاتے تھے اور ان کے ذریعہ سے حق تعالیٰ کی ساتھ تقرب ڈھونڈتے اور بارش کی دعا کرتے تو اللہ تعالیٰ ببرکت نور محمدی ﷺ باران عظیم مرحمت فرماتے

(الخ فی المواہب)

غزل

شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبال مرحوم

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں؟
فقط یہ بات کہ پیرِ مغاں ہے مردِ خلیق

علاجِ ضعفِ یقیں ان سے ہو نہیں سکتا
غریب اگرچہ ہیں رازی کے نکتہ ہائے دقیق

مرید سادہ تو رو رو کے ہو گیا تائب
خدا کرے کہ ملے شیخ کو بھی یہ توفیق

اسی طلسمِ کہن میں اسیر ہے آدم
بغل میں اس کی ہیں اب تک بتانِ عہدِ عتیق

میرے لئے تو ہے اقرار باللساں بھی بہت
ہزار شکر کہ مُلّا ہیں صاحبِ تصدیق

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی
نہ ہو تو مردِ مسلماں بھی کافر و زندیق

استفتاء

(نعت خوان کو روپے پیش کرنا)

مفتی خلیل الرحمٰن قادری گلوزوی

مہتمم دارالعلوم سنیہ حنفیہ سبحانیہ حاجی آباد شکر پورہ روڈ پشاور

کیا فرماتے ہیں علماء دین مبین اس بارے میں کہ نعت شریف کے دوران نعت خوان پر روپیہ گرانا جائز ہے؟ جبکہ اس محفل میں پیر طریقت خود موجود ہو۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ روپیہ پیر طریقت یا موجود کسی بورگ شخصیت کی وساطت سے پیش کرنا چاہئے اور بعض کہتے ہیں کہ روپیہ نچھاور کرنے میں بھی اپنی عقیدت و محبت ہے۔ ان ہر دو میں سے کون سا طریقہ مشروع ہے برائے مہربانی مسئلہ مذکورہ کا جواب شریعت محمدیہ اسلامیہ کی روشنی میں تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ بینوا و توجروا

المستفتی: جاوید حسن قادری۔ لجپال کارپوریشن (امپورٹ ایکسپورٹ کمپنی)

الجواب بعون الملک الوهاب

مستفتی کو معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جس شخص کو مال سے نوازا تو وہ مال اس کی ملکیت ہے اور جیسے چاہے اس میں تصرف کرنے کا وہ پوری طرح مختار ہے۔ یہ بات بھی ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ اگر وہ اپنا مال خلاف شرع نامشروع کاموں میں خرچ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے ناخوش ہوگا اور اس کا وبال یقیناً اس کی گردن پر پڑے گا اور اگر مال کو اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لئے خرچ کرے گا تو اس کا اجر جمیل اس کو ضرور ملے گا اور دنیا و آخرت میں چند در چند ثواب سے نوازا جائے خداوند کریم کا ارشاد ہے۔

مثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کمثل حبة انبتت سبع سنابل

(الآیہ پارہ ۳ بقرة)

ترجمہ: مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایسی ہے جیسے ایک

دانہ جو اگاتا ہے سات بالیں اور ہر بال میں سو دانہ ہو، اور اللہ تعالیٰ اسے بھی بڑھاتا جس کے لئے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ وسیع بخشش والا، جاننے والا ہے۔

اور جو مال نام و نمود کے لئے ریا کے طور پر خرچ کیا جائے اس میں امید ثواب تو کجا بلکہ آخرت میں وبال جان ہے۔ اسی طرح ہر وہ نیکی اور عبادت بھی ہے جو دکھلاوے اور ریا کے طور پر کی جائے گی۔ نعت خوان کو روپیہ دینے کا طریقہ جو درج استفتاء ہے بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ بلکہ یہ جہلاء عوام الناس کے اس فعل کے مشابہ ہے جبکہ وہ لوگ تماشہ کے دوران گانے جانے والوں کے سروں پر روپیہ نچھاور کرتے ہیں العیاذ باللہ۔ اسلام میں تو بہترین طریقہ راہ خدا میں کسی کو روپیہ وغیرہ دینے کا یہ ہے کہ اسے کوئی نہ دیکھے اور وہ جو چاہے دے دے۔ کیونکہ اس میں کسی قسم کی نام و نمود اور ریا کا شائبہ تک نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ ایسی نیکی کرنے والے سے بہت خوش ہوتا ہے اور اسے اجر عظیم سے نوازتا ہے، ایسے غلط طریقہ پر مال خرچ کرنے والے کے دل میں غالباً یہ بات ہوتی ہے کہ لوگ میری تعریف کریں، یا پھر یہ کہ وہ دکھاوے کے لئے ایسا کرتا ہے۔ اگر پہلی بات ہے تو قرآن کریم میں اس کی مذمت وارد ہے رب ذوالجلال کا ارشاد ہے۔

لاتحسبن الذین یفرحون بما اتو ویحبون ان یحمدوا۔ (الآیہ۔ پارہ ٤ آل عمران)

ترجمہ: ہرگز آپ یہ خیال نہ کریں کہ جو لوگ خوش ہوتے ہیں اپنی کارستانیوں پر اور پسند کرتے ہیں کہ ان کی خوب تعریف کی جائے ایسے کاموں سے جو انہوں نے کئے ہی نہیں تو ان کے متعلق یہ گمان نہ کرو کہ وہ امن میں ہیں عذاب سے، ان کے لئے ہی تو دردناک عذاب ہے۔ (ضیاء القرآن صفحہ ۳۰۵ جلد ۱)

وضاحت: منافقین کی یہ عادت تھی کہ بعض کام اوپر اوپر کئے ہوتے اور بعض نہ کئے ہوتے لیکن ان کی خواہش قلبی یہی ہوتی کہ لوگ ان کی تعریف کریں۔ در حقیقت ان کے دلوں میں صدق سچائی تو تھی نہیں صرف ظاہری طور پر اپنی پوزیشن کو اس مقام میں رکھنے کی خواہش تھی لیکن آج بھی اگر کوئی شخص کوئی نیکی کرتا ہے اور اسکا ارادہ حصول رضائے الٰہی اور خلوصیت نہ ہو تو وہ نیکی

بھی برباد اور گناہ لازم۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فادعوہ مخلصین لہ الدین۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس میں رضائے الہیٰ اور اخلاص کو مقدم رکھو کیونکہ بغیر اس کے کوئی بھی نیک کام کرنا سراب ثابت ہوگا۔ دوسری جگہ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

قل هل ننبئكم بالاخسرين اعمالاه الذين ضل سعيهم في الحيوة الدنيا و هم يحسبون انهم يحسنون صنعا (سورہ کہف)

ترجمہ: اے محبوب (ﷺ) آپ فرمایئے اے لوگو! کیا ہم مطلع کریں تمہیں ان لوگوں پر جو اعمال کے لحاظ سے گھاٹے میں ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری جدوجہد دنیوی زندگی کی آرائش میں کھو کر رہ گئی اور وہ یہ خیال کر رہے ہیں کہ کوئی بڑا عمدہ کام کر رہے ہیں۔

پہلی آیت کی تفسیر حاشیہ نمبر ۱۱۸ میں یوں بیان ہے۔

کیا تم دریافت کرنا چاہتے ہو کہ اعمال کے لحاظ سے سب سے زیادہ خسارے اور نقصان میں کون لوگ ہیں۔ آؤ میں تمہیں بتاتا ہوں، وہ لوگ جو دن رات حصول دنیا کے لئے مارے مارے پھرتے ہیں ان کی زندگی کا بس ایک ہی مقصد ہے کہ زیادہ سے زیادہ دولت جمع کی جائے مکانات و محلات تعمیر کئے جائیں، دنیا میں مناصب اعلیٰ پر فائز ہوں انہیں کبھی اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے کا خیال ہی نہیں آیا، انہیں اپنی موت کو یاد کرنے کی کبھی فرصت ہی نہیں ملی (ضل سعیھم) کے الفاظ کتنے معنی خیز ہیں کہ ان کی توانائی کا ایک ایک قطرہ متاع دنیا کے حصول میں ضائع ہو کر رہ گیا اور اس کشاکش میں وہ تھک کر چور ہو گئے، اخروی سعادت کے حصول کے لئے ان میں اب ذرا ہمت نہیں، خود غور فرمایئے کہ طالبان دنیا کا یہ کتنا صحیح نقشہ ہے

دوسری آیت کی تفسیر میں حاشیہ نمبر ۱۱۹ میں ہے

اس کے باوجود ان کو اپنے کیے پر کوئی ندامت نہیں بلکہ اپنی قابلیت پر نازاں ہیں اور اپنی جدوجہد کے ان نتائج پر بالکل مطمئن ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یاد سے روگردانی کر کے جو نقصان عظیم انہوں نے اٹھایا اس کا انہیں احساس تک بھی نہیں رہا۔ (ضیاء القرآن جلد ۳، صفحہ ۵۴)

اور اگر دوسری بات ہے یعنی کوئی نیکی دکھاوے کے لئے کی جاتی ہے تو اس کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد مولیٰ کریم ہے

والذین ینفقون اموالھم رئاء الناس ولا یؤمنون باللہ ولا بالیوم الآخر

(الآیہ پارہ نمبر ۵ النساء)

ترجمہ: اور وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال لوگوں کو دکھانے کے لئے اور نہیں ایمان رکھتے اللہ تعالیٰ پر اور نہ روز قیامت پر اور (وہ بد قسمت) ہو جائے شیطان جس کا ساتھی پس وہ بہت برا ساتھی ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں حاشیہ ۷۱ میں ہے

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے مال خرچ کرنے میں بخل سے کام لیتے ہیں وہ اپنی نام و نمود کے لئے بے دریغ دولت خرچ کرتے ہیں۔ لوگوں کے دلوں پر اپنی فیاضی کا سکہ بٹھانے کے لئے حقیقت میں نہ اللہ تعالیٰ پر اس کا ایمان ہوتا ہے اور نہ قیامت پر، انہیں یقین ہوتا ہے ان کا دوست اور ساتھی شیطان ہوتا ہے جو اس ازلی بد خواہ کو اپنا صلاح کار بنا لے اس سے زیادہ بد قسمت کون ہو سکتا ہے۔ شیطان تو اس کو ہر نیک کام سے روکے گا، اسے بد ترین ساتھی اور ہم سفر کوئی نہیں ہو سکتا۔ (تفسیر ضیاء القرآن، جلد نمبر ۳ صفحہ ۳۴۵)

یہ نام و نمود اور دکھاوے کے لئے نیک کام کرنا بعینہ منافقوں کی خصلت ہے جس کے متعلق قرآن کریم میں ہے

واذا قاموا الی الصلوٰۃ قاموا کسالی یراؤن الناس (آلایہ)

ترجمہ: اور جب کھڑے ہوتے ہیں نماز کی طرف تو کھڑے ہوتے ہیں کاہل بن کر، وہ بھی عبادت کی نیت سے نہیں بلکہ لوگوں کو دکھانے کے لئے (الخ) (تفسیر ضیاء القرآن جلد ۳ صفحہ ۴۰۷)

نوٹ: ان آیات کریمہ سے صاف ثابت ہوا کہ جو نیکی یا مال نام و نمود اور ریا کے طور پر خرچ کیا جائے وہ آخرت میں وبال عظیم ہے۔ اس ضمن میں تفسیر روح البیان کی عبارت ملاحظہ ہو۔

و کا امن الریاء و المن والاذی من خصائص الکفار ولا بد للمؤمنین ان یجتنبوها روی عن بعض العلماء انه قال مثل من یعمل الطاعة للریاء والسمعة کمثل رجل خرج الی السوق و ملا کیسه حصی فیقول الناس ما املاء کیس هذا الرجل ولا منفعة له سوی مقالة الناس (الخ تفسیر روح البیان ، جلد ۱ صفحه ۴۲۳)

ترجمہ: اور ریا کا عمل یا جس کو کچھ دیا اس پر احسان جتانا یا اس دینے کی وجہ سے اسے اذیت پہنچانا یہ سب کفار کی خصلتیں ہیں اور کوئی چارہ نہیں مؤمن کے لئے سوائے اس کے کہ اس سے جان بچائے۔

بعض علماء کرام نے فرمایا ہے کہ وہ شخص جو کوئی بھی نیکی ریا اور دکھانے کے لئے کرتا ہے اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جو بازار کی طرف چلا جائے اور اس کے روپوں کا تھیلا سنگریزوں سے بھرا ہوا ہو تو لوگ دیکھ کہیں گے کہ واہ کیا بھرا ہوا ہے اس شخص کا تھیلا روپوں سے، تو اس آدمی کو لوگوں کی ان باتوں کے علاوہ کوئی نفع اس بھرے تھیلے سے نہیں مل سکتا ہے اس لئے کہ اگر وہ ان سنگریزوں سے کوئی چیز خریدنا چاہے تو کوئی بھی اس کو نہیں دے گا۔ اور حال یہ کہ سلف صالحین نے بہت کوشش کی ہے اپنے صدقات لوگوں کی نظروں سے چھپا کر دینے میں۔ یہاں تک کہ بعض نے اندھے فقیر کو تلاش کر کے اسے مال دیا تاکہ وہ دینے والے کو پہچان نہ سکے۔ اور بعض صلحاء نے سوئے ہوئے فقیر کے کپڑوں میں روپیہ وغیر باندھ دیئے اور بعض نے فقیر کے راستہ میں ڈال دیئے تاکہ وہ اسے اٹھالے اور اس طرح وہ ریا سے بچ جائے۔ سبحان اللہ کیا ہی بہترین طریقے ہیں رضاء الٰہی کے حصول اور ریا سے بچنے کے لئے

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

مسلمان کے لئے کسی کو کچھ دینے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنا مال جس کو مستحق سمجھے اس طرح سے دے کہ کوئی پتہ بھی نہ پائے اور ایسا وہی کرے گا جو حصول رضائے الٰہی کا طلب گار ہو اور ریا سے بچنا چاہتا ہو، اس ضمن میں قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

الذین ینفقون اموالهم باللیل والنهار سراً و علانیة فلهم اجرهم عند ربهم ولا خوف علیهم ولا هم یحزنون (پارہ ۳)

ترجمہ: جو لوگ خرچ کیا کرتے ہیں اپنے مال کو رات میں دن میں چھپ کر اور اعلانیہ تو ان کے لئے ان کا اجر ہے اپنے رب کے پاس اور نہ انہیں کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

وضاحت: اس آیت شریف سے معلوم ہوا اپنے مال کو خفیہ طور اور اعلانیہ خرچ کرنا دونوں طریقہ جائز ہیں لیکن اعلائیہ خرچ کرنے میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے تاکہ اس میں نام و نمود اور ریاکاری کو عمل دخل نہ ہو، اس طریقے سے جو درج استفتاء ہے یہ طریقہ تو بالکل نام و نمود اور ریاکاری کا ہے اس طریقے سے مال خرچ کرنا نہ شرعا درست ہے نہ اخلاقاً بلکہ نعت خوان کو اگر کچھ دینا ہی ہے تو جب وہ فارغ ہو جائے تو اس کی جیب میں رکھ دے۔ یا اس کے ہاتھ میں چپکے سے پکڑا دینا چاہئے یا یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ اگر اس محفل میں کوئی بزرگ ہستی موجود ہو تو اس کی وساطت سے دینا چاہئے۔

استفتاء میں درج ہے "جبکہ اس محفل میں پیر طریقت خود موجود ہوں" یہ بات تو ہر کسی کو معلوم ہے کہ پیر طریقت نائب رسول اللہ ﷺ ہوتا ہے اور جو نائب رسول ﷺ ہو گا وہ ضرور بالضرور عالم دین، متقی، پرہیز گار، متبع سنت ہو گا، وہ سنت نبوی ﷺ سے سر مو بھی انحراف نہیں کرتا۔ نیز دوسروں کو بھی صراط مستقیم کی طرف ہدایت فرماتا ہے۔ اتباع سنت کے متعلق بایزید بسطامی قدس سرہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ تربوز نہیں کھاتے تھے۔ کسی نے ان سے کہا کہ حضور آپ تربوز نہیں کھاتے حالانکہ حضور ﷺ نے تو تربوز کھایا ہے۔ حضرت بایزید قدس اللہ سرہ نے فرمایا بیٹا! میں تربوز کھانے سے تو انکار نہیں کرتا بلکہ اصل بات یہ ہے کہ مجھے وہ طریقہ نہیں معلوم کہ حضور پرنور شافع یوم النشور ﷺ نے تربوز کو کدھر سے اور کس طرح سے کاٹا اور کیسے تناول فرمایا؟ اسی لئے میں نہیں کھاتا کہ کہیں میں ان کے کاٹنے اور کھانے کے طریقہ کے خلاف نہ کر بیٹھو۔ سبحان اللہ کیا شان ہے پیران طریقت کی۔ ان ابا یزید لم یا کل البطیخ الخ

(تفسیر روح البیان جلد ۳ صفحہ ۲۷۲)

اسی جلد نمبر ۳ میں حضرت بایزید بسطامی قدس اللہ سرہ کا ایک واقعہ درج ہے

و حکی عن سلطان العارفین ابی یزید البسطامی قدس سرہ انہ قال ذات یوم لاصحابہ قوموا بینا حتی ننظر الی ذلک الذی قد شہر نفسہ بالولایۃ قال فمضینا فاذا بالرجل قد قصد المسجد فرمیٰ بزاقہ نحوال القبلۃ فانصرف ابو یزید و لم یسلم علیہ الی آخرہ بطولہ (تفسیر روح البیان، جلد ۳، صفحہ ۲۵۸)

ترجمہ: یہ واقعہ حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ سے متعلق ہے، راوی کہتا ہے کہ ایک روز حضرت بایزید قدس سرہ نے اپنے معتقدین اور مریدین سے فرمایا کہ آؤ چلیں اس شخص کے پاس اور اس کی ملاقات کریں جس نے اپنے آپ کو بزرگ اور ولی ظاہر کر رکھا ہے۔ روای کہتا ہے کہ پس ہم سب چلے جب ہم اس کے آستانہ کے قریب پہنچے تو اچانک وہ پیر صاحب نکلا اور مسجد کی طرف جارہا تھا اسی اثناء میں اس نے قبلہ کی طرف تھوکا جب حضرت بایزید قدس سرہ نے اس کی یہ حرکت دیکھی تو وہیں سے آپ قدس سرہ واپس لوٹے اور اس پیر کو نہ سلام کیا اور نہ کلام۔ اور فرمایا یہ شخص سنن نبوی ﷺ میں سے ایک سنت کی پاسداری نہ کر سکا۔ (کیونکہ قبلہ کی طرف تھوکنا مکروہ ہے) تو اس میں بزرگی اور ولایت کیسے آئے گی اور یہ جو دعوی کرتا ہے مقام ولایت وصدیقین کا تو یہ کب اس کا اہل ہے۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے اولیاء اور پیران طریقت حضرات اتباع سنت کا کس حد تک خیال رکھتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ اتباع سنن میں فیضان رسول ﷺ مضمر ہے

خلاف پیمبر کسے رہ گزید | کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

تنبیہ: مستفتی لکھتے ہیں کہ جبکہ اس محفل میں پیر طریقت خود موجود ہوں، اس عبارت سے ظاہر تو یہی ہوتا ہے کہ مستفتی کے پاس پیروں کو پرکھنے کے لئے کسوٹی موجود نہیں ورنہ وہ یہ بات نہ لکھتے۔ اصل بات یہ ہے کہ کہ پیر تو نائب رسول ﷺ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے جس قوم کو اللہ تعالیٰ عطا فرمادے کیونکہ مشہور ہے (الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ)

(روح البیان جلد ۲، صفحہ ۱۷۴)

یعنی پیر کا اپنی قوم میں وہ مقام ہے جیسے کسی نبی علیہ السلام کا اپنی امت میں ہوتا ہے کیونکہ نبی علیہ السلام بھی اپنی امت کو ہدایت فرماتا ہے اور راہ حق کی طرف بلاتا ہے اور یہی کام پیر کے ذمے بھی ہوتا ہے اور اگر کوئی پیر اپنے اس منصب کے ماتحت اپنی ذمہ داری پوری نہیں کرتا اور یا خلاف شرع امور میں مشغول رہتا ہے تو پھر سمجھ لینا چاہئے کہ یہ خود ساختہ اور بناوٹی پیر ہے تو ایسے شخص کو پیر کہنا ہی غلط ہے اور ایسے شخص سے مرید ہونا اپنے اوپر ظلم کرنا ہے۔ اسی لئے حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی میں فرمایا

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست | پس بہر دستے نباید داد دست

اس ضمن میں "بہار شریعت" میں ہے

تنبیہ: چونکہ عموماً مسلمانوں کو بحمدہ تعالیٰ اولیاء کرام سے نیاز مندی اور مشائخ کے ساتھ انہیں ایک خاص عقیدت ہوتی ہے ان کے سلسلہ میں منسلک ہونے کو اپنے لئے فلاح دارین تصور کرتے ہیں۔ اس وجہ سے زمانہ حال کے وہابیہ نے لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے یہ جال پھیلار کھا ہے کہ پیری مریدی بھی شروع کر دی حالانکہ اولیاء کرام کے یہ سخت منکر ہیں لہٰذا جب مرید ہونا ہو تو اچھی طرح تفتیش کر لیں ورنہ اگر بد مذہب ہوا تو ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ آگے تحریر ہے پیری کے لئے چار شرطیں ہیں قبل از بیعت ان کا لحاظ فرض ہے۔ اول نمبر: سنی صحیح العقیدہ ہو (۲) اتنا علم رکھتا ہو کہ اپنی ضرورت کے مسائل کتابوں سے نکال سکے۔ (۳) فاسق معلن نہ ہو، (۴) اس کا سلسلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے یعنی متصل ہو (بہار شریعت حصہ اول صفحہ ۵۶)

اسی لئے "تفسیر روح البیان" میں بیان فرمایا ہے

فمن كان على جادة الحق و صراط الشريعة و عنده معرفة سلوك مقامات الطريقة يجوز الاقتداء به --- الخ (تفسير روح البيان جلد ۱ ، صفحه ۲۷۵)

ترجمہ: پس وہ پیر جو حق اور راہ شریعت کے مطابق عمل پیرا ہوتے ہوئے سجادہ نشین ہے اور اس کے پاس مقامات طریقت پر چلنے کی معرفت (پہچان) بھی ہے تو جائز ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے

کیونکہ وہ اہل اقتداء میں سے ہے عالم حقیقت کی طرف یعنی ایسے شخص سے بیعت کر لینا جائز ہے جو سلسلہ میں حضور ﷺ تک اتصال رکھتا ہو اور خود پابند شریعت ہو اور طریقت کے مقامات سے اچھی طرح واقف ہو، فرماتے

دون مدعی الشیوخہ بطریق الارث من الآباء ولا حظ لھم ---الخ (صفحہ و جلد ھذا)

یعنی ایسے شخص سے مرید ہونا جائز نہیں جس کا سلسلہ حضور ﷺ تک پہنچا نہ ہو اور وہ خلیفہ مجاز نہ ہو بلکہ بطریق وراثت اپنے باپ دادا کے سجادہ پر براجمان ہو کر پیری مریدی شروع کر دے کیونکہ یہ اہل اقتداء میں سے نہیں اور اس میں یہ صلاحیت نہیں کہ اس کی اقتداء کی جائے حضرت سعدی رحمت اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں

چوں کنعان را طبیعت بے ہنر بود | پیمبر زادگی قدرش نیفزود

ترجمہ: جب کنعان میں اس منصب پر فائز ہونے کی صلاحیت نہ تھی تو پیغمبر (نوح) سے پیدا ہونے کی وجہ سے اسی قدر و منزلت میں کوئی اضافہ نہ ہو سکا۔

معلوم ہوا کہ مرید ہونے سے قبل پیر کو اچھی طرح پرکھ لینا نہایت ضروری ہے ورنہ بمصداق قول مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے غلط پیر سے مرید ہونے میں سوائے تباہی کچھ حاصل نہ ہو گا فرماتے ہیں

دست در بینا زنی آئی براہ | دست در کورے زنی افتی بچاہ

اگر بینا (صحیح پیر) کا دامن تھام لوگے تو ہدایت پاؤ گے دین و دنیا سنور جائے گی اور اگر اندھے (جاہل، ہدا پیتی خود ساختہ پیر) کا دامن تھام لوگے تو کنوئیں میں گرو گے یعنی دین دنیا سب تباہ ہو گی (اعاذنا اللہ)

اسی طرح عالم ربانی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "القول الجمیل" میں فرمایا کہ پیری کے لئے پانچ شرائط ہیں۔

(۱) یہ کہ پیر ایسا مرد ہو جس نے متقی علماء کی بہت مدت تک صحبت کی ہو اور ان سے ادب سیکھا ہو اور حلال و حرام کا تمیز کرنے والا ہو اور کثیر الوقوف ہو، کتاب اللہ، سنت رسول ﷺ کے نزدیک یعنی قرآن اور حدیث سن کر ڈر جاتا ہو اور اپنے افعال اور اقوال اور حالات کو کتاب اور سنت کے موافق کر لیتا ہو۔

(۲) دوسری شرط بیعت لینے والے کے لئے عدالت اور تقویٰ ہے۔

(۳) دنیا کا تارک ہو اور آخرت کا راغب ہو، محافظ ہو طاعات مؤکدہ اور اذکار مؤکدہ اور اذکار منقولہ کا۔

(۴) امر کرتا ہو مشروع کا اور خلاف شرع کاموں سے روکتا ہوں، مستقل ہو اپنی رائے پر نہ کہ ہر جائی، ہر دم خیالی مروت والا اور صاحب عقل کامل ہو تاکہ اس پر عمل کیا جاوے اس کے بتائے اور روکے ہوئے فعل پر۔

(۵) مرشدانِ کامل کی صحبت میں رہا ہو اور ان سے ادب سیکھا ہو زمانہ دراز تک اور ان سے باطن کا نور اور اطمینان حاصل کیا ہو۔ (القول الجمیل صفحہ ۲۵)

ان تمام باتوں پر اگر غور کیا جائے تو اصلی اور نقلی پیر میں فرق کرنا بہت آسان ہو گا۔ اسی طرح حضرت اخون درویزہ رحمۃ اللہ علیہ نے پیری کے لئے شرائط بیان کی ہیں، فرماتے ہیں

"شرط چہارم اذن پیر کامل است و آں آنست کہ آں پیر اذن نیز از جائے آوردہ باشد --- دست بدست تا زمان محمد مصطفی ﷺ وان نیست کہ سید زادہ و یا شیخ زادہ و یا ملا زادہ کامل و مکمل باشد بل کامل کسے است کہ از خدمت اذن حاصل کردہ باشد --- و معلوم باد اے فرزند کہ بغیر ایں شروط کسے پیری و پیشوائی را نشاید و آں نقل کہ در اکثر جا مسطور است (من لا شیخ له فشیخه شیطان) : در شان کسے است کہ خود پیری؛ پیشوائی کند و اذن از کسے نہ آوردہ باشد ایں چنین شخص را شیطان گمراہ خواہد کرد و اگر مشائخان کبار چوں اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ و غیر ذلک اگر مجمع ایں جملہ شروط بودند از علوم و تقویٰ و ریاضت لما چوں اذن شیخ بر ایشان نبود از ایشاں خانوادہ نماند -- الی ان قال ---

خصوصاً در ایں زمانہ فساد کہ اکثر آدم صورت و شیطان سیرت بر سجادہ پدر و پدر کلان خود نشستہ اندو خود را پیر و پیشوائے جہان ساختہ اند و از جہت جمع کردن مال و ناموس دنیاوی دین خود را درباختہ اند ---الخ---بطولہ (ارشاد الطالبین صفحہ ۲۶۶)

ترجمہ: اور پیری مریدی کے لئے چوتھی شرط پیر کامل کی اجازت ہے اور وہ اس طرح کہ اس پیر کامل نے بھی اجازت حاصل کی ہو کسی پیر کامل سے اور اسی طرح یہ سلسلہ دست بدست حضور ﷺ تک پہنچ جائے اور یہ بات ممکن نہیں کہ کوئی سید زادہ یا شیخ زادہ یا ملا زادہ خود بخود بغیر اجازت پیر کامل کے مکمل ہو۔ بلکہ کامل وہ ہے جو خدمت پیر سے اجازت حاصل کرلے۔ اور یہ بھی واضح ہو اے بیٹے! کہ ان شرائط کے بغیر کوئی بھی پیری مریدی اور پیشوائی کا اہل نہیں بن سکتا ہے۔ اور یہ نقل جو اکثر کتابوں میں درج ہے کہ جس کا پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے تو یہ اس شخص کے حق میں ہے جو خود پیری اور پیشوائی کرتا ہو لیکن اس نے کسی مرشد کامل سے اجازت حاصل نہ کی ہو تو ایسے شخص کا پیر شیطان ہوتا ہے اور آخر کار شیطان اس کو گمراہ کر دیتا ہے اور وہ جو بعض مشائخ کبار جیسے حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ میں یہ جملہ شرائط موجود تھیں جو پیری کے لئے شرط ہیں یعنی علم، تقویٰ، ریاضت وغیرہ لیکن جب ان کے پاس مرشد کامل کی اجازت نہ تھی تو ان سے نہ کوئی سلسلہ چلا اور نہ انہوں نے کوئی خلیفہ چھوڑا۔ یہاں تک کہ آگے چل کر فرماتے ہیں: خاص کر اس زمانہ میں جو فساد کا زمانہ ہے اکثر انسان صورت اور شیطان سیرت اپنے باپ دادا کے سجادہ پر براجمان ہیں اور جہلاء عوام کے سامنے اپنے آپ کو پیر اور پیشوا بنائے بیٹھے ہیں اور دنیاوی ناموس اور مال و دولت جمع کرنے کی خاطر اپنے دین کو برباد کر چکے ہیں---الی آخرہ

مقام غور: قابل غور بات تو یہ ہے کہ حضرت اخون درویزہ رحمۃ اللہ علیہ نے چار سو سال قبل ایسے لوگوں کی نشاندہی کی ہے جو پیری مریدی کے بالکل اہل نہ تھے لیکن دنیاوی نام و نمود اور مال زر کمانے کے لئے بمصداق اس شخص کے جو اپنا نام الیسع (بجائے یوسف) بتا رہا تھا اپنے آپ کو پیر بنائے ہوئے تھے تو پھر انصاف سے اگر موجودہ زمانے کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو میرا یقین ہے کہ

۹۵ فیصد پیشوایان ملت برادران الیسف ہی ثابت ہوں گے (خدا کی پناہ)۔ راقم الحروف کے علم میں بھی کئی ایک ایسے پیر ہیں جو پیر تو کجا مرید کہنا بھی ان کو جائز نہ ہوگا کئی ایسے پیر بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ پیری مریدی کے لئے علم کی کوئی ضرورت نہیں اور بعض نے اپنے اصل نسل کو بدل کر مکر و فریب کا لبادہ اوڑھ کر پیر بنے بیٹھے ہیں، جیسا کہ فرمایا ہے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "فقراء جہال کو اس وقت میں یہ خبط سمایا ہے کہ پیری مریدی میں علم کا ہونا کچھ ضروری نہیں بلکہ علم درویشی کو مضر ہے اس واسطے کہ شریعت کچھ اور ہے اور طریقت کچھ اور، حالانکہ صوفیان قدیم کی کتب میں اور ملفوظات میں مثلاً عوارف المعارف، احیاء العلوم، کیمیائے سعادت، فتوح الغیب اور غنیۃ الطالبین میں صاف درج ہے کہ علم شریعت شرط ہے طریقت اور تصوف کی (شفاء العلیل صفحہ ۲۲)

سابقہ سطور میں میں نے الیسف کا ذکر کیا ہے لہٰذا ضروری سمجھا کہ پوری بات کو واضح کروں تاکہ مستفتی صاحب اور قارئین کرام کو سکون قلبی میسر ہو۔ مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "مجموعۃ الفتاویٰ" میں تحریر فرمایا ہے کہ

"علی حزین ایرانی کا واقعہ ہے جو مدت دراز تک ہند میں رہا ہے۔ اس کی عادت تھی کہ ایک پلنگڑی پر لیٹا رہتا، اہل علم حضرات کے سوا کسی کی تعظیم نہ کرتا جو آتا فرش پر بیٹھتا۔ ایک بار ایک جاہل شخص علماء و مشائخ کا لباس پہنے ہوئے اس کے پاس پہنچا وہ اسے عالم سمجھ کر لیٹے سے اٹھ بیٹھا اور نہایت ادب سے اس سے پوچھا "اسم جناب چیست؟ اس نے جواب دیا الیسف (یوسف کی جگہ) علی حزین کو معلوم ہو گیا کہ یہ شخص جاہل ہے وہ پھر لیٹ گیا اور پاؤں پھیلا کر کہنے لگے "بابا! اگر تو الیسف هستی من چرا پائے خود را دراز نہ کنم" وہ جاہل شرمندہ اور خفیف ہو گیا اور تمام حاضرین سمجھ گئے کہ یہ شخص جاہل ہے عالم نہیں ہے، پس علماء و صوفیاء کا لباس پہننے والوں کو جان لینا چاہئے کہ محض یہ لباس ان کو عالم اور صوفی نہ بنائے گا۔ (مجموعۃ الفتاویٰ جلد ۳ صفحہ ۲۷۲)

خلاصہ یہ کہ نعت خوان کو روپیہ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں مگر درج استفتاء طریقے پر

دینا قبیح ہے اس کے دوسرے طریقے بھی ہیں جو درج جواب ہیں اور اس پر مختلف حوالہ جات کے ذریعہ روشنی ڈالی گئی۔ اسی طرح پیر طریقت کے متعلق بھی چند ایک عبارات سے جواب کو مزین کردیا گیا انہیں عبارات کی روشنی میں خود موازنہ فرمادیں، اصلیت آپ پر ضرور کھل جائے گی۔

بقیہ: مومن کی زندگی میں صبر کا مقام

مقابلہ کر کے اللہ تعالیٰ سے مدد کا خواستگار ہونا بھی صبر ہے۔

حرام طریقوں سے حاصل کردہ مال دیگر فوائد اور لذات کو ٹھکرا دینے کا نام صبر ہے۔

برتری اور تصرف کی حالت میں مخالفین کو معاف کرنے اور درگذر کرنے کو صبر کہا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس وعدے پر یقین کہ صالح لوگوں کو ان کے اعمال صالحہ کا اجر ضرور ملے گا اور کفار، مشرکین، منافقین، فاسقوں، گنہگاروں اور ہر قسم کے بطلان میں مبتلا لوگوں کو ان کے اعمال کی سزا ملے گی یہ بھی صبر کے مفہوم میں شامل ہے۔

بازوِ حیدر

علامہ محمد اقبال مرحوم

دلوں کو مرکزِ مہر و وفا کر
حریمِ کبریا سے آشنا کر
جسے نانِ جویں بخشی ہے تو نے
اسے بازوئے حیدر بھی عطا کر!

حیات الصالحین

جاوید حسن قادری آفریدی

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

ایک دن حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حاضر ہوئے تو مرشد محترم (حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کو مغموم و متفکر پایا۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے افسردگی کا سبب پوچھا تو آپ نے بتانے میں تامل فرمایا لیکن جب عزیز بھانجے نے زیادہ اصرار کیا تو فرمایا "رات ایک ایسا واقعہ مجھے در پیش ہوا جس پر مجھے سخت ندامت ہے۔ بیٹے! مدت دراز سے میرا جی چاہ رہا تھا کہ نئے کوزے کا ٹھنڈا پانی پیوں لیکن میں اس نفس کی خواہش کو پورا کرنا نہیں چاہتا تھا گذشتہ رات نہ جانے یہ خواہش میری زبان پر آگئی تو لڑکی نے فوراً کسی آدمی کو بازار بھیجا اور کوزہ منگوالیا، اس کو دھو کر پانی سے بھر اور میرے پاس رکھ دیا، میں اس وقت اپنے اوراد و وظائف میں مشغول تھا، پانی اس لئے نہ پیا کہ مزید ٹھنڈا ہو جائے، پانی کوزے میں پڑا رہا اور ٹھنڈا ہوتا رہا اور یہاں میرا نفس خوش ہوتا رہا یہاں تک کہ میں اپنے معمولات اوراد سے فارغ ہو گیا لیکن اس وقت مجھ پر نیند کا ایسا غلبہ ہوا کہ پانی بھی نہ پی سکا اور سو گیا۔ خواب میں دیکھا کہ ایک بے حد حسین اور نوجوان عورت میری گھر میں داخل ہوئی جس کے جسم پر نہایت بیش قیمت لباس اور زیورات تھے، میں اسے دیکھ کر حیران رہ گیا، میں نے اس سے پوچھا "تمہارا یہ حسن و جمال کس خوش قسمت آدمی کے لئے ہے؟ اس پر اس نے جواب دیا "اس شخص کے لئے تو یقیناً نہیں ہے جو نئے کوزے میں ٹھنڈا پانی پینا چاہتا ہے" یہ کہہ کر اس نے کوزا اٹھایا اور توڑ دیا۔ جب میری آنکھ کھلی تو کوزہ ٹوٹا ہوا پڑا تھا، اس وقت سے میں اپنی اس لغزش پر نادم ہو رہا ہوں اور خدا سے مغفرت کی دعا کر رہا ہوں، بیٹے! تم بھی دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ میرے اس گناہ کو معاف فرمادے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

آپ کے حالات زندگی میں لکھا ہے کہ آپ ہر ادنیٰ اور اعلیٰ کے ساتھ خلق عظیم سے پیش آتے اور کسی سے قہر و جلال کے ساتھ بات چیت نہ فرماتے تھے۔ آپ کے محلّہ کے قریب ہی ایک چنڈو خانہ تھا جس میں بہت سے شرابی، چرسی جمع ہوتے اور خلاف انسانیت حرکتیں کرتے، آپ کبھی کبھی لباس تبدیل کر کے ان سے محبت آمیز بات چیت فرماتے، کبھی ان کو اشعار سناتے اور کبھی داستانیں سناتے، یہ سلسلہ مدتوں تک جاری رہا یہاں تک کہ وہ لوگ آپ سے مانوس ہو گئے۔ ایک روز آپ نے ان سے فرمایا کہ آج جی چاہتا ہے کہ پاک صاف ہو کر، نہادھو کر دو رکعت نماز پڑھیں، زندگی تو ویسے بھی گناہوں میں گذر ہی رہی ہے آج سجدہ عقیدت بھی سہی، سب لوگ نہادھو کر صاف لباس پہن کر آپ کے حضور جمع ہو گئے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نماز پڑھائی اور بعد از نماز بارگاہ الٰہی میں التجا کی "اے میرے پروردگار! میں ان لوگوں کو یہاں تک گھسیٹ لایا ہوں، اب اس سے آگے آپ کو اختیار ہے" حضرت ذکریا سلمان بغدادی فرماتے ہیں کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دعا سے وہ سب لوگ ولی کامل بن گئے۔

ایک دن کوئی شخص حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں پانچ سو اشرفیاں لایا۔ آپ نے پوچھا "تمہارے پاس اور بھی کچھ ہے؟ عرض کیا بہت کچھ۔ تو فرمایا "تم اپنی دولت کو اور بڑھانے کے خواہشمند ہو؟ اس نے عرض کیا "ہاں! خواہشمند ہوں" اس پر آپ نے فرمایا "تو پھر یہ رقم واپس لے جاؤ کیونکہ اس رقم کے تم زیادہ مستحق ہو کیونکہ ہم اس کے باوجود کہ کچھ نہیں رکھتے اس کے خواہشمند نہیں ہیں۔

حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

آپ کا نام ابو سلیمان داؤد بن نصیر الطائی الکوفی ہے۔ ابتداء میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس آیا کرتے تھے حتی کہ علم کلام میں کامل ہو گئے۔ ایک دن کسی شخص کی طرف کنکری اٹھا کر ماری کہا ابو سلیمان! پہلے تو تم زبان درازی کیا کرتے تھے اب دست درازی بھی کرنے لگے! اس سے ایک

سال بعد تک امام جامی کی خدمت میں آتے جاتے رہے مگر نہ کسی سے کچھ پوچھتے اور نہ کسی کو کوئی جواب دیتے۔ جب سمجھ لیا کہ علم کی تکمیل ہو چکی اس وقت اپنی تمام کتابیں دریا میں غرق کر دیں اور خود عبادت کے لئے مستعد ہو گئے، ان کے پاس صرف تین سو درہم تھے، ان پر بیس سال تک گذارا کرتے رہے۔ کہتے ہیں کہ ماں کے ورثہ میں ایک گھر ملا تھا اس کا جب ایک کمرہ گر جاتا تو دوسرے میں منتقل ہو جاتے مگر کبھی تعمیر نہ کرایا۔ محمد بن قحطبہ جب کوفہ میں گیا تو اس نے کہا کہ مجھے ایک اتالیق کی ضرورت ہے جو میرے بیٹوں کو ادب، قرآن، سنت نبوی، فقہ، نحو اور ادب کا علم دے۔ لوگوں نے کہا یہ سب اوصاف حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ اس شخص نے دس ہزار درہم حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھیجے۔ انہوں نے یہ تمام درہم واپس فرما دیئے۔ اس پر اس شخص نے دوبارہ اپنے غلاموں دو تھیلیاں دے کر کہا "اگر داؤد نے انہیں رکھ لیا تو تم آزاد ہو" حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے پھر بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ غلاموں نے عرض کی "حضور! ہم آپ کی مہربانی سے آزاد ہو سکتے ہیں، قبول فرمالیجئے!۔ فرمایا "انکار کر دینے سے میں خود دوزخ سے آزاد ہو جاؤں گا اور جا کر کہہ دو کہ ان کا نہ لینا ہی میرے حق میں بہتر ہے"

حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ:

آپ چار ماہ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مہمان ہوئے۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی خاطر مدارت میں بہت مبالغہ کیا۔ ہر روز نئی قسم کا کھانا اور مٹھائیاں ان کے لئے مہیا فرماتے تھے۔ جب حضرت حفص رحمۃ اللہ علیہ رخصت ہونے لگے تو فرمایا کہ "شبلی! تم کبھی نیشاپور آؤ گے تو میں تمہیں میزبانی کے آداب سکھاؤں گا" آپ کی اس بات سے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ گھبرا گئے، عرض کیا حضرت! میں نے ایسا کیا کیا کہ آپ مجھ سے خفا ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے تکلف کیا اور تکلف اچھی بات نہیں۔ مہمان کو اس طرح رکھنا چاہئے کہ اس کے رہنے سے تم کو گرانی اور اس کے جانے سے شادمانی نہ ہو، اگر تکلف کرو گے تو مہمان کا آنا گراں اور اس کا جانا اچھا معلوم ہو گا اور میزبانی اور مروت کا یہ طریقہ نہیں ہے۔

تبصرہ کتب

نوٹ: تبصرے کے لئے دو کتابیں ارسال کی جائیں

عنوان: "اسرار المشتاق"

از: سید غلام معین الدین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ اشاعت: بار دوم ۱۰ ذیقعد ۱۴۱۹ھ

صفحات: ۱۰۲

قیمت ۵۵ روپے

مقام اشاعت: خانقاہ عالیہ گولڑہ شریف اسلام آباد

تبصرہ نگار: سید محمد انور شاہ قادری

زیر نظر کتاب اعلیحضرت عظیم البرکت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سجادہ نشین و پوتے حضرت سید غلام معین الدین شاہ صاحب المعروف لالہ جی المتخلص بہ مشتاق رحمۃ اللہ علیہ کے منظوم اردو و فارسی کلام پر مشتمل ہے جس میں نظم کی چار اصناف حمد باری تعالیٰ، نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم، مناقب اولیاء اللہ اور غزلیات شامل ہیں۔

قبلہ لالہ جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ چونکہ تصور کے وحدۃ الوجودی مسلک سے تعلق رکھتے تھے اسی لئے آپ نے اپنے کلام میں جگہ جگہ اس کا ذکر کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں

خدا کی قسم ہے خدا جلوہ گر ہے، اسی کی حقیقت میں جلوہ گری ہے
یہ شمس و قمر اور یہ برق و شرر میں اسی نور مطلق کی جلوہ گری ہے

(صفحہ ۱۲)

اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفات اس کائنات کی ہر شے میں جلوہ آراء ہیں چنانچہ اس حقیقت کی طرف یوں توجہ دلائی گئی ہے۔

نظر پڑے تری جس چیز پر سمجھ غافل | وہی ہے جلوہ نما لا الہ الا اللہ

(صفحہ ۱۲)

اللہ تبارک وتعالیٰ ظاہر بھی ہے اور باطن بھی ظاہر ایسا کہ اس کا نور ہر شے میں جلوہ نما ہے اور باطن یوں کہ کہیں نظر نہیں آتا۔ چنانچہ فرماتے ہیں

ہر اک چیز میں گو ہے تو جلوہ گر | مگر پھر تجھے ڈھونڈتی ہے نظر

(صفحہ ١٥)

اسی مضمون کو فارسی میں یوں ادا کیا گیا ہے

جملہ موجودات عکس یک وجود | بود مطلق شد مقید در شہود
در نظر گرچہ ہزاراں صورت است | لیک در کثرت نشان وحدت است

(صفحہ ١٦)

اور پھر اسی یکتا و بے مثل ذات باری تعالیٰ تک رسائی حاصل کرنے اور اسی کی معرفت کا راز بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں

ہستی موہوم را معدوم ساز | فاش گردد آنچہ در وی ہست راز

(صفحہ ١٧)

یعنی اے انسان! اگر تو اسے پانے کا متمنی ہے تو اپنے آپ کو فنا کر دے تو پھر وحدت اور معرفت الٰہی کا بھید تجھ پر آشکارا ہو جائے گا لیکن یہ آسان کام نہیں، خواہشات نفسانی و لذات دنیوی سے کنارہ کش ہو کر مقام فنا پر فائز ہونا ہر انسان کے بس کی بات نہیں اس لئے ہر شخص پر یہ راز عیاں نہیں ہوتا۔ چنانچہ فرماتے ہیں

گرچہ بینی در جہاں عاقل بسے | سر وحدت را نداند ہر کسے

(صفحہ ١٨)

یاد رہے کہ تصوف میں وحدۃ الوجود ایک اہم اور معرکۃ الآراء مسئلہ ہے جس کا تعلق توحید باطنی سے ہے اور وجودی مسلک کے حامل صوفیاء کرام کے نزدیک حقیقی، اصلی اور مطلق وجود صرف اور صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کا ہے باقی تمام موجودات اسی کے وجود کا عکس اور پرتو ہیں جو اپنے وجود کے ظہور کے لئے وجود باری تعالیٰ کے محتاج ہیں گویا کائنات کی ہر شے میں اسی

حق تعالیٰ کا نور جلوہ افروز ہے جس کے لئے یہ حضرات ہمہ اوست کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں لیکن جو اہل علم اس کی حقیقت اور غرض و غایت سے بے خبر ہوتے ہیں وہ شکوک کا شکار ہو کر فوراً چلا اٹھتے ہیں کہ یہ لوگ ہر چیز کو خدا کہہ رہے ہیں (نعوذ باللہ) حالانکہ ایسا ہر گز نہیں چنانچہ لالہ جی اس قسم کے شبہات کا ازالہ کرتے ہوئے یوں فرماتے ہیں

ذات مطلق کی انتہا ہی نہیں | انتہا کیا ہو ابتداء ہی نہیں
وہ تو بے مثل ہے زمانے میں | اس سا کوئی کہیں ہوا ہی نہیں

(صفحہ ۲۰)

کتاب کے دوسرے حصہ میں حضور سرور کون و مکاں ﷺ کے حضور ہدیہ نعت پیش کیا گیا ہے اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ نعت گوئی کے لئے علم و فضل سے بڑھ کر حب نبوی ﷺ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ دولت سرمدی مبداء فیاض نے بڑی فراوانی سے عطا فرما رکھی تھی۔ چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ اپنا تعلق ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں

مالک جان و دل محمد ہے | میری ہر سانس نام احمد ہے

(صفحہ ۲۹)

اہل محبت کے لئے اپنے محبوب سے جدائی اور دوری بہت گراں گزرتی ہے چنانچہ لالہ جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی اس کیفیت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں

نہ رکتے ہیں، نہ تھمتے ہیں یہ آنسو | مدینہ یاد آتا جا رہا ہے

(صفحہ ۳۱)

جب اس بے قراری و بے کلی میں شدت پیدا ہوتی ہے تو بارگاہ نبوی ﷺ میں فریاد کرتے ہوئے کہتے ہیں

یا محمد مصطفیٰ! اب تو ہو اذن حاضری | آپ کا مشتاق پاکستان میں مجبور ہے

(صفحہ ۳۳)

پیارے محبوب ﷺ کے دیدار کے لئے جب دل تڑپتا ہے تو یہ آرزو زباں پر آ کر یوں شعر

کے قالب میں ڈھل جاتی ہے۔

یا محمد مصطفیٰ! یک بار در خواہم بیا | ایں حسرت دیرینہ را در بارگاہ آوردہ ام
(صفحہ ۲۴)

حضور اکرم ﷺ تمام امت کے ملجاء وماویٰ ہیں چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنی بے کسی اور ناتوانی کا ذکر کرتے ہوئے بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں یوں استغاثہ پیش فرماتے ہیں

نہیں ہے کوئی دنیا میں ہمارا یا رسول اللہ | فقط ہے آپ ہی کا اک سہارا یا رسول اللہ
طلاطم خیز ہے دریا بھنور میں ہے مری کشتی | نظر آتا نہیں کوئی کنارا یا رسول اللہ
(صفحہ ۳۳)

حمد ونعت کے بعد مناقب اولیاء کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے چونکہ گولڑہ شریف پاکستان کی ایک ایسی خانقاہ ہے جو بیک وقت قادری اور چشتی فیوض وبرکات کا سنگم ہے۔ جناب لالہ جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ اور خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہوئے اپنے اسلاف کی روایت کو بڑی عمدگی سے آگے بڑھایا ہے۔ چنانچہ پیران پیر غوث اعظم دستگیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنی نسبت پر ناز کرتے ہوئے کہتے ہیں

شاہ جیلاں کا اک گدا ہوں میں | دونوں عالم سے ماوریٰ ہوں میں
اے مبارک وہ بے خودی جس میں | تیری چوکھٹ کو چومتا ہوں میں
(صفحہ ۴۵)

جبکہ عطائے رسول خواجہ خواجگان حضرت معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اپنی والہانہ عقیدت کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے

خواجہ ہند الولی کا ہوں غلام | نام لیوا ہوں میں ان کا صبح و شام
(صفحہ ۴۵)

کتاب کا آخری حصہ غزلیات پر مشتمل ہے۔ ان میں بھی مسئلہ وحدۃ الوجود پر کھل کر اظہار کیا گیا ہے۔ نیز الفت رسول ﷺ، کوئے رسول کی حاضری کے لئے بے چینی وبے تابی، ذوق

وشوق، عشق ومحبت، وصل وہجر، غم وحسرت، امید وبیم، درد وسرور، اپنی واماندگی اور بے مائیگی اور لطائف واسرارے پر مضامین نئے نئے انداز میں پیش کئے گئے ہیں۔

"اسرار المشتاق" کے متعلق ایک بات ذہن میں رہے کہ یہ شعر وشاعری کی کوئی راویتی کتاب نہیں بلکہ ایک صوفی کے تخیل اور واردات قلبی کی مظہر وترجمان ہے جس میں "کیفیاتِ حال" کو "بزبان قال" بیان گیا ہے جو بڑا مشکل اور کٹھن کام ہے کیونکہ "قال" "حال" کی وسعت ورفعت کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ صرف الفاظ کی صورت میں ان کیفیات کی طرف اشارات کئے جا سکتے ہیں اور مثالیں ہی بیان کی جاسکتی ہیں۔ ان سے حقیقت تک رسائی اور الفاظ کے دامن میں پنہاں معانی کی گہرائی تک پہنچنے کے لئے علم وادب کے ساتھ ساتھ "حال" کا ذوق ضروری ہے اور ایسے باذوق حضرات ہی اس عارفانہ کلام سے کماحقہ مستفید ومستفیض ہوسکتے ہیں۔

بقیہ: شہہ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تئیں کیا وہ شاید غیر بھی نہ کرے تم سمجھتے ہو صرف درود پڑھنے سے وہ ذمہ داری ختم ہوجاتی ہے جو دین تم پر عائد کرتا ہے۔ اے بے عمل! تیرے درود سے وہ ذات اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش نہیں ہوتی بلکہ کرب محسوس فرماتی ہے۔ (شاہ مصباح الدین، سیارہ ڈائجسٹ جلد دوم صفحہ ۳۰۶)

(جاری ہے)